

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا



حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود و میرزا الشاہ محمد رفیع الدین صاحب جامع احمدیہ

شائع کردہ دفتر تحریک جدید

بار دوم

ایک دفعہ پھر!

آج سے انچاس سال پیش ۲۴ دسمبر ۱۹۹۶ء کو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تمام مذاہب کی کانفرنس میں لاہور کے مقام پر اس بات کا ثبوت ہم پہنچایا کہ مذہب اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور اس کا پیش کردہ خدا زندہ خدا۔ کیونکہ اسلام کے زندہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خوشخبری دی کہ مذاہب کانفرنس میں حضور کی طرف سے اسلام کی تائید میں لکھا ہوا مضمون سب مضمونوں پر بالا رہیگا۔ چنانچہ جب مذاہب کانفرنس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون پڑھا گیا تو جملہ حاضرین جلسہ اور پریس کے نمائندگان نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی خوشخبری کے مطابق اس بات کا اعتراف کیا کہ واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مضمون سب مضامین پر بالا رہا اور ان کے اس اعتراف نے اس امر پر مہر کر دی کہ مذہب اسلام زندہ مذہب ہے کیونکہ اس کا حقیقی نمائندہ ہی سب پہلوانوں پر غالب آیا اور اس غلبہ کی وجہ سے خدا کی وہ بات پوری ہوئی جو اس نے بطور خوشخبری پہلے ہی بتادی تھی اور اس طرح سے زندہ مذہب اور زندہ خدا دنیا کو دکھا دیا گیا۔

۲۶ فروری ۱۹۹۵ء کو ایک دفعہ پھر خدا تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اولوالعزم خلیفہ اور آپ کے حسن و احسان میں متیل کے ذریعہ اسی قسم کے واقعہ کا اعادہ کروایا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے اور مذہب اسلام زندہ مذہب ہے۔ ۱۴ فروری ۱۹۹۵ء کے قریب حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو زندہ خدا نے بتایا کہ آپ کے ہاتھ سے عنقریب ایک ایسا کام ہونے والا ہے جس کی وجہ سے اہل علم طبقہ میں اور خصوصاً پنجاب یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اہل علم گروہ میں یہ خیال پیدا ہو جائیگا کہ حضور کا علم ایک الہی مطلب ہے اور یہ کہ آپ الہی تائید اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اس خبر کے مطابق ۲۶ فروری ۱۹۹۵ء کو اللہ تعالیٰ نے احمدیہ پوسٹل لاہور میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے اجتماع میں حضور سے اسلام کے اقتصادی نظام کے موضوع پر ایک علمی تقریر کرائی۔ اس کے سننے کے بعد مختلف مذاہب کے لوگ حضور کی شان میں ایسے رطب اللسان ہوئے کہ جس کو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ قرآن مجید کا پیش کردہ اقتصادی نظام ہی ایک ایسا نظام ہے جو دنیا میں اس قائم کر سکتا ہے اور یہی ایک نظام ہے جو اس قابل ہے کہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گویا پھر ایک واقعہ کا اعادہ انچاس سال بعد کیا گیا جس سے زندہ مذہب اور زندہ خدا دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کے قریب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ رؤیا دیکھا کہ :-

اخبار "انقلاب لاہور" کا ایک پرچہ حضور کے ہاتھ میں ہے اور حضور اُسے پڑھ رہے ہیں جو نہی آپ کی نظر ایک صفحہ پر پڑی تو آپ نے دیکھا کہ کچھ سطریں لکھی ہوئی ہیں اور کچھ سطریں اڑی ہوئی ہیں اور پھر ڈیڑھ سطر لکھی ہوئی ہے اور اس کے بعد پھر کچھ سطریں اڑی ہوئی ہیں جس طرح کسی مضمون کے بعض حصے سسرنے کاٹ دیئے ہوں۔ درمیان میں جو سطر لکھی ہوئی ہے جب حضور اُسے پڑھتے ہیں تو اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "امام جماعت احمدیہ نے پنجاب یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا ہے۔" یہ خبر جو نہی حضور نے پڑھی تو حضور کو اپنے نفس پر بہت غصہ آیا اور آپ نے دل میں کہا کہ "میں نے یہ امتحان کیوں دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا علم دیا ہے اور اتنا بلند مقام دیا ہے تو مجھے انٹرنس کا امتحان دینے کی کیا ضرورت تھی؟" جب ایک دوست کے بعد آپ کے غصہ کی حالت دود ہوئی تو آپ نے خیال کیا کہ جب آپ نے انٹرنس کا امتحان دیا ہی ہے تو یقیناً یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ ہوگی اس میں بھی ضرور کوئی الہی حکمت ہوگی اور پھر حضور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ جب انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا ہے تو اے بی۔ اے کا امتحان بھی دے دینا چاہیے۔ پھر آپ کو خیال آتا ہے کہ بی۔ اے کا امتحان تو ایف۔ اے کا امتحان پاس کئے بغیر نہیں دیا جاسکتا۔ مگر خود ہی حضور کہتے ہیں کہ گو یہ عام قاعدہ ہے۔ مگر غالباً یونیورسٹی حضور کو بی۔ اے کا امتحان دینے کی اجازت دے دیگی۔

پس اس رؤیا میں حضرت امیر المومنین کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کے ذریعہ ایک ایسا اہم کام ہو نوالا ہے جسکی وجہ سے آپ کا اثر اور رسوخ پنجاب یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے طبقہ میں پڑھ جائیگا اور وہ آپ کی وجاہت کے قابل ہو جائیں گے اور انہیں داخلہ اور نفوذ کے بعد پھر ایک اور موقع پیدا ہوگا جس سے اس اثر اور رسوخ اور نفوذ میں ترقی ہوگی۔

اس رؤیا کے مطابق ۲۴ فروری ۱۹۴۵ء کو احمدیہ ہسپتال واقعہ ۳۲- ڈیپوس روڈ لاہور میں احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز امام جماعت احمدیہ نے اسلام کے اقتصادی نظام کے موضوع پر ایک گرامر خیز اور انقلاب انگیز تقریر فرمائی اس تقریر میں احمدی احباب کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مسلم اور غیر مسلم معززین بھی شامل تھے جن کی اکثریت اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ اور پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسروں اور طلباء پر مشتمل تھی۔

اس تقریر کی صدارت مسٹر راجندر چندر صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے کی اور یہ تقریر ساڑھے چار بجے شام شروع ہو کر سو اسات بجے تک مسلسل اڑھائی گھنٹے ہوئی رہی۔ تقریر کے دوران میں پروفیسر اور وکلاء اور دیگر اہل علم و دست کثرت سے نوٹ لیتے رہے اور اس تقریر کو حاضرین نے ایسے شوق سے سنا کہ اتنے لمبے عرصہ تک لوگ اس طرح بیٹھے رہے کہ گویا ان کے سروں پر پندے بیٹھے ہیں تقریر کے خاتمہ پر صاحب صدر نے ایسے رنگ میں تقریر کی جس سے یہ ظاہر تھا کہ وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے علم سے

بہت متاثر ہیں اور یہ کہ جس اسلام کو آپ پیش کرتے ہیں وہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس قابل ہے کہ دنیا اس کی خوبیوں کا اقرار کرے چنانچہ صاحب صدر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

”میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سننے کا موقع ملا اور مجھے اس بات سے خوشی ہو کہ تحریک احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے جو تقریر اس وقت آپ لوگوں نے سنی ہے اس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضرت امام جماعت احمدیہ نے بیان فرمائی ہیں مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی ان قیمتی معلومات سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہے کہ اس جلسہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوئے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں جماعت احمدیہ کے بہت سے محرز دستوں سے مجھے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا رہتا ہے یہ جماعت اسلام کی وہ تقریر کرتی ہے جو اس ملک کیلئے نہایت مفید ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتا تھا اور یہ میری غلطی تھی کہ اسلام اپنے قوانین میں صرف مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ مگر آج حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مجھے یسٹنکر بہت خوشی ہے۔ میں غیر مسلم دوستوں سے کہوں گا کہ اس قسم کے اسلام کی عزت و احترام کرنے میں آپ لوگوں کو کیا عذر ہے۔ آپ لوگوں نے جس سنجیدگی اور سکون سے اربانی گھنٹہ تک حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سنی اگر کوئی یورپی اس بات کو دیکھتا تو حیران ہوتا کہ ہندوستان نے اتنی ترقی کر لی ہے جہاں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے سکون کے ساتھ تقریر کو سنا دیا میں اپنی طرف سے اور آپ سب لوگوں کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کا بار بار اور لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی نہایت ہی قیمتی معلومات سے ہر تقریر سے ہمیں مستفید کیا۔“

صاحب صدر کے ان دیباکس کو پڑھ کر ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس بات کی خبر خدا تعالیٰ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام بنصرہ العزیز کو دی تھی وہ کس شان و شوکت سے پوری ہوئی اور کس طرح غیر مسلم دوستوں نے تقریر سننے کے بعد اعتراف کیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا علم کوئی کسی علم نہیں بلکہ خدائی عطا ہے اور کس طرح اہل علم طبقہ میں حضور کی وجاہت اثر انداز ہوئی۔ علاوہ ازیں اس تقریر کا اثر جس قدر سامعین پر تھا وہ اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ ایک پروفیسر صاحب اس تقریر کو سن کر رو پڑے اور بعض کیونز م کے حامی طلباء نے اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ اسلامی سوشلزم کے قائل ہو گئے ہیں اور اب اسے صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔ پھر یونیورسٹی آف کیمس ڈیپارٹمنٹ کے ایم۔ اے کے بعض طلباء نے حضور کی اس تقریر کے متعلق یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کا انگریزی ترجمہ چھپوا کر یونیورسٹی آف کیمس ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کے پاس بھیجا جائیے۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ جہاں

مختلف سکیمیں ہندوستان کی آئندہ ترقی اور یہودی کے لئے دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش ہو رہی ہیں وہاں یہ اسلامی نظام جو حضور نے
پیش فرمایا ہے مسلمانوں کے خیالات کی نمائندگی کرے گا۔ انفرن جوں جوں اس تقریر کی شہرت ہوئی بعض لوگ جو یونیورسٹی سے تعلق رکھتے
تھے اور چوٹی کے پروفیسر تھے اور کسی وجہ سے یہ لیکچر نہ سن سکے تھے انہوں نے اپنے طے والوں سے معذرتیں کیں اور اس امر پر افسوس کیا
کہ وہ بوجہ دوسری مصروفیتوں کے اس عظیم الشان لیکچر کے سننے سے محروم رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگوں نے بعد میں اعتراضات کئے
لیکن ایسا وسیع معنون ایک ہی لیکچر میں مکمل نہیں ہو سکتا ان اعتراضات نے صرف آئندہ کے لئے کام کا اور راستہ کھول دیا، اسکے موا کچھ نہیں
پس خدا تعالیٰ نے جس طرح آج سے انچاس سال قبل یہ ثبوت بہم پہنچایا تھا کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور اس کا پیش کردہ خدا زندہ خدا
ہے۔ اسی طرح آج بھی خدا تعالیٰ نے دنیا کے سامنے جہاں اپنے ظہور پر ناز کرنے والے جمع تھے اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ اسلام
ہی زندہ مذہب ہے اور اس کی تعلیم ہی اس قابل ہے کہ دنیا کی صحیح رہنمائی کر سکے اور صحیح اس ناک کے اور جو خبر خدا تعالیٰ نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ
کو دی تھی کہ "انقلاب" میں چھپا ہے کہ "امام جماعت احمدیہ نے انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا ہے۔" اس خبر کے بموجب حضرت
امیر المومنین ایدہ اللہ کی تقریر سے یونیورسٹی کے پروفیسروں اور بیرسٹروں اور وکلاء کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا کیا گیا اور
خدا کی بتلائی ہوئی بات پوری ہوئی اور اس نے ثابت کر دیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے۔ فالحمدا للہ علی ذالک
حضور کی اس انقلاب انگیز تقریر کے منصفہ ظہور پر آنے کی محرک احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن ہے۔ کیونکہ اسی نے حضرت
امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں تقریر کے لئے درخواست کی جس کو حضور نے ازراہ شفقت منظور فرمایا پھر
اس تقریر کے کامیاب طور پر علمی طبقہ میں ہونے کا سرا بھی انہی کے سر ہے کیونکہ تقریر کے ضمن میں جن جن انتظاموں کی ضرورت تھی
انہوں نے ان کو نہایت ہی محنت اور بہترین طریقے سے سرانجام دیا۔ پس اصل شکر یہ کے مستحق یہی لوگ ہیں کیونکہ انہیں کی
بدولت دنیا نے ایک ایسا علمی خزانہ پایا جو قیامت تک دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہے گا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء
پھر مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل بھی شکر یہ کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی سعی سے یہ خزانہ ضبط میں آیا اور پھر مرتب ہو کر
اب سب احباب اس سے مالا مال ہو رہے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی قیامت تک مالا مال ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ

خاکس
نور الحق مولوی فاضل واقف زندگی

دفتر ترجمہ القرآن تحریک جدید قادیان

۵۴۵

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — بِحَمْدِكَ وَنُصَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

خدا کے فضل اور رحمت کیساتھ
هوَالِد

اسلام کا اقتصادی نظام

مضمون کی اہمیت | میرا خطبہ آج اسلام کے اقتصادی نظام پر ہے۔ یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اس کو تھوڑے سے وقت میں بیان کرنا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے اور بعض دفعہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے جدا کر کے پیش کر دینا اُسے مبہم بنا دیتا اور اس کی اہمیت کو کمزور کر دیتا ہے مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ جہاں تک ہو سکے مختصر طور پر اور ایسی صورت میں کہ میرا مضمون سمجھ میں آ سکے میں اسلام کے اقتصادی نظام کو آپ لوگوں کے سامنے پیش کروں اور وہ ضروری ضروری امور جو اس کے ماحول سے تعلق رکھتے ہیں اور اسکے بنیادی اصول کے ساتھ وابستہ ہیں انہیں بھی بیان کر دوں۔ چونکہ اسلام کا اقتصادی نظام ایک ایسی شکل رکھتا ہے جسے ایک رنگ میں اس نظام سے مشابہت ہے جسے اسجکل کیونز کم کہتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں میرا مضمون ادھورا رہیگا اگر میں اس تحریک کے متعلق بھی اسلامی نقطہ نگاہ پیش نہ کر دوں اور وہ فرق بیان نہ کر دوں جو اسلامی اقتصادی تحریک اور کیونز کم کی اقتصادی تحریک میں ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح شاخیں اپنے درخت کی ٹرودوں میں سے نکلتی ہیں اسی طرح مختلف مسائل پہلے سے قائم شدہ بنیادی مسائل میں سے نکلتے ہیں اور ان بنیادی مسائل کے سمجھے بغیر بعد میں پیدا ہونے والے متخرج مسائل کی حقیقت کو لوگ آسانی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتے اس لئے اسلام کے اقتصادی نظام کو بیان کرنے سے پہلے اس ضروری سمجھتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ یہ بھی بیان کر دوں کہ اسلام کے کئی نظام کی بنیاد کس امر پر ہے۔

اسلام کے کئی نظام کی بنیاد | اسلام اپنے تمام سیاسی اقتصادی اور تمدنی اور دیگر ہر قسم کے نظاموں کی بنیاد اس امر پر رکھتا ہے کہ بادشاہت اور مالکیت خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ چنانچہ

سورۃ زخرف رکوع سات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَارَكَ الَّذِي لَهٗ مَلَكُوتُ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَیْ وَمَا یَنْهٰهُمَا وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَالَّذِیۡ تَرۡجَعُوۡنَ (الزخرف ۶۶) یعنی بہت برکت والا وہ خدا ہے جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اسی طرح جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ بھی اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اور ان چیزوں کا اپنے مقصد اور مدعا کو پورا کر کے جب فنا کا وقت آئیگا تو اس کا علم بھی اسی کو ہے اور پھر آخر ہر چیز خدا کی طرف ہی جانے والی ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم نے یہ بات پیش کی ہے کہ درحقیقت آسمان اور زمین خدائی کی ملکیت میں اور ہر چیز جو یہاں زندگی گزار رہی ہے اس کا منتہی اور مرجع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔

اگر کوئی شخص کسی امر کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے یا کوئی امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس ذمہ داری کی ادائیگی اور اس امانت میں خیانت نہ کرنے کے متعلق امانت سپرد کرنے والے کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے لیکن وہ شخص جو آزاد ہوتا ہے اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ میں جس طرح چاہوں کر دوں میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں پس قرآن کریم نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ دنیا جہان کی حکومتیں بادشاہتیں اور اقتدار چونکہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور اس کی طرف بطور امانت انسانوں کے سپرد ہیں اس لئے سب انسان بادشاہتوں اور ظاہری ملکیتوں کے متعلق اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بظاہر بادشاہ یا بظاہر مالک ہیں لیکن حقیقت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے متولی ہیں اس لئے جب وہ خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونگے انہیں ان امانتوں کے صحیح مصرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا ہوگا۔

حکومت بادشاہت کے متعلق اسلام کا نقطہ نگاہ | پھر قرآن کریم یہ امر بھی صراحتاً بیان فرماتا ہے کہ بادشاہت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اس پر کسی کا ذاتی حق نہیں ہوتا

چنانچہ فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِإِذْنِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (ال عمران ۴۹) یعنی اے مخاطب تو کہہ دے کہ اے اللہ تمام بادشاہتوں کے مالک خدا تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس کے ہاتھ سے واپس لینا چاہے اُس کے ہاتھ سے واپس لے لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ساری خیر اور نیکی تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں بھی بتایا گیا ہے کہ بادشاہت جب کسی کے ہاتھ میں آتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف بطور امانت آتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر صورت میں ہر بادشاہ اور مقتدر کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکومت ملتی ہے خواہ وہ کیسا ہی جاہل بادشاہ ہو یا کیسا ہی ظالم ہو یا کیسا ہی گندہ اور خراب ہو وہ ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہت ملنے کے سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ پس اگر کسی کو بادشاہت ملتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیدا کردہ اسباب سے کام لینے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے اور جبکہ بادشاہت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے تو جسے بھی بادشاہت یا کوئی اقتدار حاصل ہو وہ زیادہ سے زیادہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے دیکل اور تنولی قرار دیا جاسکتا ہے حاکم مطلق یا مالک مطلق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آخری طاقت اور آخری فیصلہ کرنے والی ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ بہر حال جو بھی حاکم ہو بادشاہ ہو ڈکٹیٹر ہو یا پارلیمنٹ کی صورت میں بعض افراد کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو اگر وہ کوئی آئین دنیا میں نافذ کرتے ہیں تو وہ اس آئین کے نفاذ میں خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی خرابی پیدا کریں گے جس سے خدا تعالیٰ نے رد کیا ہوا ہے یا کوئی ایسی نیکی ترک کریں گے جس کے کر نیک خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت میں پیش ہونگے جیسے ہی جیسے ایک باغی غلام یا سرکش ملازم اپنے آقا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے اپنے ان افعال کی سزا پائیں گے خواہ وہ بادشاہ کہلاتے ہوں یا ڈکٹیٹر کہلاتے ہوں یا پارلیمنٹ کہلاتے ہوں۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص جو بادشاہ بنتا ہے خدا تعالیٰ کی مرضی سے بنتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ عمل میں خدا تعالیٰ کی ملکیت پر قابض ہوتا ہے اس لئے اُسے فدائی آئین کے مطابق حکومت کرنی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی نیابت میں اپنے اقتدار کو استعمال کرنا چاہیئے ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔ ہاں

بعض حالات میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی بادشاہ مقرر کئے جاتے ہیں جو بہر حال نیک اور منصف ہوتے ہیں مگر انکی بادشاہتیں دینی ہوتی ہیں دنیوی نہیں۔

حکام کیلئے اسلامی احکام | اسی طرح حکام کے بارے میں فرماتا ہے کہ بعض حاکم ایسے ہوتے ہیں کہ اِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

الْفُسَادَ (سورہ بقرہ ۲۵) یعنی دنیا میں کئی حاکم اور بادشاہ ایسے ہوتے ہیں کہ جب انہیں بادشاہت مل جاتی ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ طاقتوں سے کام لے کر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ رعایا اور ملک کی خدمت کریں بجائے اس کے کہ اس قائم کریں بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کریں وہ ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیتے ہیں جن سے قومیں قوموں سے قبیلے قبیلوں سے اور ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہیں اور ملک میں طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جن سے ملک کی تمدنی اور اقتصادی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور آئندہ نسلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ حَرْث کے لغوی معنی تو کھیتی کے ہیں مگر یہاں حَرْث کا لفظ استعارۃً وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جتنے ذرائع ملک کی اقتصادی ترقی کے یا جتنے ذرائع ملک کی مالی حالت کو ترقی دینے والے یا جتنے ذرائع ملک کی تمدنی حالت کو بہتر بنانے والے ہوتے ہیں اُن ذرائع کو اختیار کرنے کی بجائے وہ ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے تمدن تباہ ہو، اقتصاد پر باد ہو مالی حالت میں ترقی نہ ہو۔ اس طرح وہ نسلوں کی ترقی پر تبرکھ دیتے ہیں اور ایسے قوانین بناتے ہیں جس سے آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں اپنی طاقتوں کو کھو بیٹھتی ہیں اور ایسی تعلیمات جن کو سیکھ کر وہ ترقی کر سکتی ہیں اُن سے محروم رہ جاتی ہیں۔ پھر فرماتا ہے: وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ یعنی اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ایسے بادشاہ اور حکمران خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مغضوب ہیں اور وہ اُن کو سخت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس آیت سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ اسلام کے نزدیک وہی بادشاہ صحیح معنوں میں بادشاہ کہلا سکتا ہے جو لوگوں کے لئے ہر قسم کا امن مہیا کرے انکی اقتصادی حالت کو درست کرے اور اُن کی جانوں کی حفاظت کرے کیا بلحاظ صحت کا خیال رکھنے کے اور کیا بلحاظ اسکے کہ وہ غیر ضروری جنگیں نہ کرے اور اپنے ملک کے افراد کو بلا وجہ مرنے نہ دے۔

گویا ہر قسم کے امن اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اسلام کے نزدیک حکومت پر عاید ہوتی ہے اور وہ اس امر کی پابند ہے کہ ملک کی ترقی اور رعایا کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھے۔

**حکام کو افراد و اقوام کے درمیان
عدل قائم کرنے کی تاکید**

اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا** (سورہ نساء، کوہم)

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جب تمہیں موقع ملے کہ تم بادشاہت کی امانتیں کسی کے سپرد کرو۔ تو یاد رکھو! تم یہ امانتیں ہمیشہ اُن لوگوں کے سپرد کیا کرو جو تمہارے نزدیک بادشاہت اور حکومت کے اہل ہوں اور جن کے اندر یہ قابلیت پائی جاتی ہو کہ وہ حکومتی کاموں کو عمدگی سے سرانجام دے سکیں۔ پھر اے وہ لوگو! جن کے سپرد ملک کے لوگ بادشاہت کی امانت کریں وہاں ہم نے ملک کے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم حکومت کے لئے ایسے ہی لوگوں کا انتخاب کرو جو اس امانت کو سنبھالنے کے اہل ہوں جو ملک کے لئے بہترین رہنما ہوں اور جو رعایا کیلئے ہر قسم کی ترقی کے سامان جمع کرنے کے قابل ہوں وہاں) تم لوگوں کو جنکا حکومت کے لئے انتخاب کیا گیا ہے اور جن پر اعتماد کر کے ملک کے لوگوں نے حکومت کی امانت اُن کے سپرد کی ہے ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ **إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ** یعنی جب تم کوئی فیصلہ کرو تو عدل سے کام لو۔ یہ نہ ہو کہ کسی فرد کو بڑھا دو اور کسی کو نیچے گرا دو کسی قوم کو ادبیا کر دو اور کسی قوم کو نیچا کر دو کسی قوم میں تعلیم پیدا دو اور کسی قوم کو جاہل رکھو کسی کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرو اور کسی کی اقتصادی ضروریات کو نظر انداز کر دو بلکہ جب تم لوگوں کے حقوق کا فیصلہ کرو تو ہمیشہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرو رعایت یا بے جا طرفداری سے کام نہ لو۔ پھر فرماتا ہے **إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ** ہمارا یہ حکم ایسا نہیں جیسے بادشاہ بعض دفعہ بغیر کسی خاص مقصد یا بغیر کسی خاص حکمت کے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا منشا یوں ہے بس اسی طرح کیا جائے۔ ہم ان بادشاہوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے یہ حکم نہیں دے رہے بلکہ ہم تمہارے خالق و مالک خدا ہیں اور ہم نہیں جو حکم دے رہے ہیں اسی میں تمہارا فائدہ اور تمہارا سکھ ہے۔ اگر تم ایسے حاکم مقرر کرو گے جو اچھے ہونگے جو حکومت کے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے والے ہونگے جو اس امانت کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہونگے تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ اور اے حاکمو! اگر تم لوگوں کی جانوں کی حفاظت کرو گے اگر تم اُنکے

اموال کی حفاظت کر دے۔ اگر تم اپنے فیصلوں میں ہمیشہ عدل کو ملحوظ رکھو گے۔ اگر تم افراد اور اقوام میں تفریق سے کام نہیں لو گے۔ اگر تم چھوٹوں اور بڑوں سب سے یکساں سلوک کر دے گے۔ اگر تم ملک کی مجموعی حالت کو درست رکھنے کی ہمیشہ کوشش کر دے گے۔ اگر تم ان بادشاہوں کے نقش قدم پر نہیں چلو گے جو کسی کو بڑھا دیتے ہیں اور کسی کو گرا دیتے ہیں اور کسی کو نادا جب سزا دے دیتے ہیں اور کسی کی نادا جب رعایت کر دیتے ہیں تو تم صرف ہمارا حکم ہی پورا نہیں کر دے گے بلکہ انجام کے لحاظ سے یہ امر خود تمہارے لئے بھی بہتر ہو گا۔ پھر فرماتا ہے۔۔۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** مَجِيعًا **بَصِيرًا** یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ لوگ دنیا کے ظالم بادشاہوں کی ایڑیوں کے نیچے کچلے گئے اور وہ تباہ و برباد کئے گئے بادشاہوں نے ان پر ظلم کیا اور ان کے حقوق کو انتہائی بے دردی کے ساتھ پامال کر دیا۔ یہ حالات خدا نے دیکھے اور اُس کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ بنی نوع انسان ہمیشہ ظلموں کے نیچے دبے چلے جائیں اور حکام اپنی من مانی کارروائیاں کرتے رہیں۔ پس اُس نے چاہا کہ اس بارہ میں خود ہدایات دے۔ چنانچہ جب ظلم اپنی انتہا تک پہنچ گیا اور لوگوں نے ہمارے حضور چلا کر کہا کہ اے خدا! اس قسم کے حاکم ہم پر مسلط ہو رہے ہیں جو ہمارے حقوق کو ادا نہیں کرتے تو خدا نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اپنی شریعت میں یہ حکم نازل فرما دے کہ ہمیشہ حکام انتخاب سے مقرر کئے جائیں اور ایسے حاکم چنے جائیں جو انصاف اور عدل کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہوں اور حکومت کے اہل ہوں۔ اسی طرح حکام کو خدا نے اپنی شریعت میں یہ حکم دے دیا کہ دیکھو ہمیشہ عدل اور انصاف سے کام لو۔ ملک کی اقتصادی حالت کو ترقی دینے کی کوشش کرو۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرو۔ اقوام اور افراد میں تفریق پیدا نہ کرو۔ ایسی تدابیر اختیار نہ کرو جو ملک کی ترقی میں روک ڈالنے والی یا آئندہ نسلوں کو تباہ کرنے والی ہوں۔ بلکہ ہمیشہ ایسے طریق اختیار کرو اور ایسے قوانین بناؤ جو ملک کی ترقی کا موجب ہوں۔

یہ وہ ماحول ہے جس میں اسلام اقتصادی نظام پیش کرتا ہے اور بغیر کسی مناسب ماحول کے کوئی اچھے سے چھانڈم بھی

حکومت کے متعلق اسلام کی چار اصولی ہدایات

کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے (۱) انتخابی حکومت کا اصول مقرر کیا ہے اور حکومت کی بنیاد اہلیت پر قائم کی۔ (۲) جس نے حکومت کو ملکیت نہیں بلکہ امانت قرار دیا ہے (۳) جس نے

لوگوں کی عزت جان اور مال کی حفاظت کو حکومت کا مقصد قرار دیا ہے (۴) جس نے حاکم کو افراد اور اقوام کے درمیان عدل کرنے کی تاکید فرمائی اور اُسے خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ قرار دیا ہے۔

غرض اسلام کے نزدیک کوئی نسلی بادشاہ نہیں وہ صاف اور کھلے طور پر فرماتا ہے کہ **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا** یعنی خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم حکومت کی امانت ہمیشہ اہل لوگوں کے سپرد کیا کرو۔ پس اسلام کسی نسلی بادشاہت کا قائل نہیں بلکہ اسلام کے نزدیک حکومت انتخابی اصل پر قائم ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد اپنی قوم میں سے بہترین شخص کے سپرد حکومت کی امانت کیا کریں جب تک مسلمان قرآن کریم کے احکام پر عمل کرتے رہے وہ اسی رنگ میں حکام کا انتخاب کرتے رہے اور آئندہ بھی جب مسلمانوں کو قرآن کریم کے ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگی ان کے لئے پہلا حکم ہی ہوگا کہ تم خود کسی شخص کو حکومت کیلئے منتخب کرو اور پھر دوسرا حکم یہ ہوگا کہ تم کسی کو اس لئے نہ چنو کہ وہ اعلیٰ خاندان میں سے ہے کسی کو اس لئے نہ چنو کہ وہ جابر ہے کسی کو اس لئے نہ چنو کہ وہ مالدار ہے کسی کو اس لئے نہ چنو کہ اُسکے ساتھ جنت ہے بلکہ تم اس لئے چنو کہ وہ ملک کی حکومت کیلئے بہترین شخص ثابت ہوگا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے حکام کو یہ حکم دے دیا کہ جب تمہارا انتخاب عمل میں آجائے تو عدل و انصاف سے کام لو۔ یہی وہ روح تھی جس نے بادشاہت پیدا ہو جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے خیالات کو جمہوریت اور انصاف کی طرف مائل رکھا۔

اسلامی تاریخ کا ایک شاندار منظر | گبن جو ایک مشہور عیسائی مؤرخ ہے اُس نے روم کے حالات کے متعلق ایک تاریخی کتاب لکھی ہے وہ اس کتاب میں ملک شاہ کے متعلق

جو الپ ارسلان کا بیٹا تھا بیان کرتا ہے کہ وہ بالکل نوجوان تھا جب اس کا والد فوت ہوا۔ اُس کے مرنے کے بعد ملک شاہ کے ایک چچا ایک چچیرے بھائی اور ایک سگے بھائی نے بالمقابل بادشاہت کا دعویٰ کر دیا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ نظام الدین ہوی جو ملک شاہ کے وزیر تھے وہ (بوجہ شیعہ ہونیکے) ملک شاہ کو امام موسیٰ رضاؑ کی قبر پر دعا کے لئے بے گئے۔ دعا کے بعد ملک شاہ نے وزیر سے پوچھا۔ آپ نے کیا دعا کی؟ وزیر نے جواب دیا یہ کہ خدا تعالیٰ آپ کو فتح بخشے۔ ملک شاہ نے کہا اور میں نے خدا سے یہ دعا کی ہے کہ اے میرے رب اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے کا مجھ سے زیادہ اہل ہے تو اے میرے رب آج میری جان

اور میرا تاج مجھ سے واپس لے لے۔

گن ایک عیسائی مؤرخ اور نہایت ہی متعصب عیسائی مؤرخ ہے مگر واقعہ کے ذکر کے سلسلہ میں بے اختیار لکھتا ہے اس ترک (مسلمان) شہزادہ کے اس قول سے زیادہ پاکیزہ اور وسیع نظریہ تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنا مشکل ہے مگر یہ روح کہاں سے آئی؟ اور کیوں مسلمانوں کے دلوں اور ان کے دماغوں میں یہ بات مرکوز تھی کہ حکومت کسی کا ذاتی حق نہیں بلکہ ایک امانت ہے جو ملک کے لوگ خود اپنے میں سے قابل ترین شخص کے سپرد کرتے ہیں اور پھر اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لے اور حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھے۔ یہ پاکیزہ خیالات اور یہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ مسلمانوں میں اسی وجہ سے دکھائی دیتا ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے دماغوں میں شروع سے ہی یہ بات ڈال دی تھی کہ بادشاہت ایک امانت ہے اور یہ امانت صرف حقدار کو بطور انتخاب دینی چاہیے نہ کہ ورثہ کے طور پر لوگ اس پر قابض ہوں یا اہلیت کے سوا اور کسی وجہ سے انہیں اس کام پر مقرر کیا جائے۔ نیز یہ کہ جو شخص اس امانت پر مقرر ہو اس کا فرض ہے کہ اس امانت کے سب حقوق کو پوری طرح ادا کرے اور جو شخص اس کے تمام حقوق اور ذرائع کے ساتھ ادا نہیں کریگا وہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مجرم کی طرح کھڑا ہوگا۔ پس مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت یہ آیت رہتی تھی کہ تَوَدُّوا إِلَیْكُمْ مَنْتِ إِلَى أَهْلِهَا یعنی جو لوگ حکومت کے قابل ہوں جو انتظامی امور کو سنبھالنے کی ہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں ان کو یہ امانت سپرد کیا کرو اور پھر جب یہ امانت بعض لوگوں کے سپرد ہو جاتی تھی تو شریعت کا یہ حکم ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ دیانتداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرو۔ اگر تم نے عدل کو نظر انداز کر دیا اگر تم نے دیانت داری کو ملحوظ نہ رکھا اگر تم نے اس امانت میں کسی خیانت پے کام لیا۔ تو خدا تم سے حساب لیگا اور وہ تمہیں اس جرم کی سزا دے گا۔

حضرت عمر کا عدم الممثالت خدما کے باوجود
وفات کے وقت غیر معمولی کرب

یہی وہ چیز تھی جس کا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اس قدر غالب اور نمایاں تھا کہ اسے دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں حضرت عمر جو اسلام میں خلیفہ ثانی گذرے ہیں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے اس قدر قربانیوں سے کام لیا ہے کہ وہ یوروپین مصنف جو دن رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی کتابوں میں نہایت دھڑائی کے ساتھ

یہ لکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے دیانت داری سے کام نہیں لیا وہ بھی ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ذکر پر یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس محنت اور قربانی سے ان لوگوں نے کام کیا ہے اس قسم کی محنت اور قربانی کی مثال دنیا کے کسی حکمران میں نظر نہیں آتی خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کام کی تو وہ بے حد تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ شخص تھا جس نے رات اور دن کے انہماک کے ساتھ اسلام کے قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں کی ترقی کے فرض کو سرانجام دیا مگر عمرؓ کا اپنا کیا حال تھا؟ اُس کے سامنے باوجود ہزاروں کام کرنے کے باوجود ہزاروں قربانیاں کرنے کے باوجود ہزاروں تکالیف برداشت کرنے کے یہ آیت رہتی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَافُكُّمُ اَنْ تُوَدُّوا اَلَا مَنّتْ اِلٰى اٰهْلِهَا اَوْ يَهْ كَذٰ اَحْكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ یعنی جب تمہیں خدا کی طرف سے کسی کام پر مقرر کیا جائے اور تمہارے ملک کے لوگ اور تمہارے اپنے بھائی حکومت کے لئے تمہارا انتخاب کریں تو تمہارا فرض ہے کہ تم عدل کے ساتھ کام کرو اور اپنی تمام قوتوں کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کیلئے صرف کر دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ کیسا دردناک ہے کہ وفات کے قریب جبکہ آپ کو ظالم سمجھتے ہوئے ایک شخص نے نادانی اور جہالت کے خنجر سے آپ پر وار کیا اور آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ بستر پر نہایت کرب سے تڑپتے تھے اور بار بار کہتے تھے اَللّٰهُمَّ سَاعِدْنِيْ وَوَلِّحْنِيْ - اَللّٰهُمَّ سَاعِدْنِيْ وَوَلِّحْنِيْ لے فدا تو نے مجھ کو اس حکومت پر قائم کیا تھا اور ایک امانت تو نے میرے سپرد کی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اس حکومت کا حق ادا کر دیا ہے یا نہیں۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے اور میں دنیا کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہوں۔ اے میرے رب! میں تجھ سے اپنے اعمال کے بدلہ میں کسی اچھے اجر کا طالب نہیں کسی انعام کا خواہشمند نہیں بلکہ اے میرے رب! میں صرف اس بات کا طالب ہوں کہ تو مجھ پر رحم کر کے مجھے معاف فرما دے اور اگر اس ذمہ داری کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہو تو اُس سے درگزر فرما دے۔ عمرؓ وہ علیل القدر انسان تھا جس کے عدل اور انصاف کی مثال دنیا کے پردہ پر بہت کم پائی جاتی ہے مگر اس حکم کے ماتحت کہ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ جب وہ مرتا ہے تو ایسی بے چینی اور ایسے اضطراب کی حالت میں مرتا ہے کہ اُسے وہ تمام خدمات جو اُس نے ملک کی بہتری کے لئے کیں وہ تمام خدمات جو اُس نے لوگوں کی بہتری کے لئے کیں وہ تمام خدمات جو اس نے اسلام کی ترقی کے لئے کیں بالکل حقیر نظر آتی ہیں۔ وہ تمام خدمات جو اُس کے ملک کے تمام

مسلمانوں کو اچھی نظر آتی تھیں وہ تمام خدمات جو اس کے ملک کی غیر اقوام کو بھی اچھی نظر آتی تھیں وہ تمام خدمات جو صرف اُس کے ملک کے اپنوں اور غیروں کو ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی اچھی نظر آتی تھیں وہ تمام خدمات جو صرف اس کے زمانہ میں ہی لوگوں کو اچھی نظر نہیں آتی تھیں بلکہ آج تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی وہ لوگ جو اُس کے آقا پر حمد کرنے سے نہیں چوکتے جب عمر کی خدمات کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں بیشک عمرؓ اپنے کارناموں میں ایک بے مثال شخص تھا۔ وہ تمام خدمات خود عمرؓ کی نگاہ میں بالکل حقیر ہو جاتی ہیں اور وہ ٹپتے ہوئے کہتا ہے اَللّٰهُمَّ كَلِّ عَلَيَّ وَكَلِّ لِي اے میرے رب! ایک امانت میرے سپرد کی گئی تھی میں نہیں جانتا کہ میں نے اُس کے حقوق کو ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے میں تجھ سے صرف اتنی ہی درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے قصور و دل کو معاف فرما دے اور مجھے سزا سے محفوظ رکھ۔

ہر چیز کیلئے اچھے ماحول کی ضرورت | یہ ماحول میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ کوئی چیز اچھے ماحول کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اچھی سے اچھی گٹھلی لو اور اُسے

ایسی زمین میں دبا دو جو اُس کے مناسب حال نہ ہو یا گٹھلی کو اگانے کی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتی ہو تو وہ کبھی اچھا درخت پیدا نہیں کر سکتی لیکن اگر ماحول اچھا ہو تو معمولی اور ادنیٰ بیج بھی نشو و نما حاصل کر لیتا ہے۔ پس یہ وہ ماحول ہے جو اسلام نے پیش کیا اور ایسے ہی ماحول میں پبلک کے مفید مطلب اقتصادی نظام حل سکتا ہے۔

دنیا میں تین قسم کے اقتصادی نظام | اس ماحول کے بیان کرنے کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ دنیا میں تین قسم کے اقتصادی نظام ہوتے ہیں ایک نظام غیر آئینی ہوتا ہے

یعنی ہم اس کا نام اقتصادی نظام محض بات کو سمجھنے کیلئے رکھ دیتے ہیں درنہ حقیقت یہ ہے کہ بعض قومیں اور حکومتیں دنیا میں ایسی ہیں جنہوں نے کبھی بھی یہ فیصلہ نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے اقتصادی نظام کو کس طرح چلانا ہے جس طرح انسان بعض دفعہ راستہ میں چلتے ہوئے کسی چیز کو اٹھا لیتا ہے اسی طرح ان لوگوں کے سامنے اگر اقتصادی ترقی کے لئے کوئی قومی ذریعہ آجائے تو وہ اُسے اختیار کر لیتے ہیں فردی ذریعہ آجائے تو اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی معین اور مقررہ پالیسی ان کے سامنے نہیں ہوتی۔

دوسرا نظام قومی ہوتا ہے یعنی بعض قومیں دنیا میں ایسی ہیں جو صرف قومی اقتصادی نظام کو اختیار

کرتی ہیں اور ملک کے نظام کو ایسے رنگ میں چلاتی ہیں جس سے بحیثیت مجموعی اُن کی قوم کو فائدہ ہو۔
 تیسرا نظام انفرادی ہوتا ہے جس میں افراد کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر ملک کی اقتصادی حالت کو درست کرنے اور اُسے ترقی دینے کی کوشش کریں۔ مزدوروں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ اور سرمایہ داروں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ اسی طرح ملازمین کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے افسروں سے تنخواہوں وغیرہ کے متعلق بحث کر کے فیصلہ کریں اور افسروں کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ملازمین کے متعلق قواعد وضع کریں۔ گویا اس نظام میں انفرادیت پر زور دیا جاتا ہے۔

یہی تین قسم کے اقتصادی نظام اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ایک بے قانون دوسرا قومی اور تیسرا انفرادی۔ یعنی بعض میں کوئی بھی آئین نہیں۔ بعض میں قومی کاروبار پر بنیاد ہوتی ہے۔ اور بعض میں انفرادی کاروبار پر۔ اسلام غیر آئینی نظام کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ وہ ایک آئینی نظام کو قائم کرتا اور اس کے ماتحت چلنے کی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو حکمت اور دانائی کے ماتحت اختیار کرنے کا قائل ہے۔ وہ اس بات کا قائل نہیں کہ نظام اور آئین کو نظر انداز کر کے جو راستہ بھی سامنے نظر آئے اس پر چپنا شروع کر دیا جائے۔ غیر آئینی نظام دونوں کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے جنگل میں آپ ہی آپ جو بوٹیاں اُگ آتی ہیں انہیں کھانا شروع کر دیا جائے مگر اسلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو باقاعدہ ایک باغ لگاتا اُس کی آب پاشی کرتا اور اس کے پودوں کی نگرانی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کونسی چیز مجھے اس باغ میں رکھنی چاہیے اور کونسی چیز نہیں رکھنی چاہیے۔

اسلام کی اقتصادی تعلیم کا ماحول

میں نے اوپر جو ماحول اسلام کی تعلیم کا بیان کیا ہے وہ ماحول اسلام کی اقتصادی تعلیم کے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اسلام کی اقتصادی تعلیم دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اس ماحول کا اسلام کی اقتصادی تعلیم کے ساتھ ایک گہرا تعلق تھا اس لئے ضروری تھا کہ میں اُسے بیان کرتا اور بتاتا کہ کس ماحول میں اسلام نے دنیا کے سامنے ایک مفید اور اعلیٰ درجہ کا اقتصادی نظام رکھا ہے۔ بہر حال جیسا کہ میں نے بتایا ہے اسلام غیر آئینی نظام کو تسلیم نہیں کرتا البتہ دوسرے دو نظاموں کے درمیان درمیان ایک راستہ پیش کرتا ہے۔ مگر بنیادی اصول اسلام کے اقتصادیات کا انہی پہلے حقائق پر قائم ہے جن کو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

اموال کے متعلق اسلام کا اقتصادی نظریہ

اسلام کا اقتصادی نظریہ اموال کے متعلق یہ ہے۔ فرماتا ہے (الف) **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا** (سورۃ البقرہ ۲۹۷) یعنی جس قدر چیزیں دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔ اگر تمہیں دنیا میں پہاڑ نظر آتے ہیں اگر تمہیں دنیا میں دریا نظر آتے ہیں اگر تمہیں دنیا میں کانیں نظر آتی ہیں اگر تمہیں دنیا میں ترقی کی اور ہزاروں اشیاء نظر آتی ہیں تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کا نظریہ ان اشیاء کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب کی سب بنی نوع انسان میں مشترک ہیں اور سب بحیثیت مجموعی ان کے مالک ہیں۔ کانوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ دریاؤں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ پہاڑوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے مثلاً بجلیاں پیدا کی جاتی ہیں سونا چاندی اور دوسری قیمتی دھاتیں حاصل کی جاتی ہیں یا دوائیں وغیرہ وہاں پائی جاتی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے علاج معالجہ کے رنگ میں بھی اور تجارت کے رنگ میں بھی یا اسی قسم کی اور ہزاروں چیزیں ہیں جو صنعت و حرفت میں کام آتی ہیں۔ ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **خَلَقَ لَكُمْ** اے بنی نوع انسان یہ سب کی سب چیزیں تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ زید کی خاطر نہیں یہ بکر کی خاطر نہیں یہ عمرو کی خاطر نہیں یہ شکر کی خاطر نہیں یہ عثمان کی خاطر نہیں یہ جبریل کی خاطر نہیں یہ زوہیلہ کی خاطر نہیں بلکہ ہر فرد بشر جو دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کے لئے خدا نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ پس کوئی ہو حاکم ہو محکوم ہو بڑا ہو چھوٹا ہو سید ہو چار ہو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں صرف میرے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے **خَلَقَ لَكُمْ** اے بنی نوع انسان یہ چیزیں تم سب کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور ان میں سے ہر چیز کے تم سب کے سب بحیثیت انسان مالک ہو۔

پھر اموال کے متعلق یہ قاعدہ بیان فرماتا ہے کہ **اَتَوْهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي اَتَاكُمْ** (سورۃ نور ۶۱) اے لوگو! جب تمہارے پاس غلام ہوں۔ یعنی جتنی قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں مگر حالت یہ ہو کہ نہ ان کی گورنمنٹ انہیں رہا کرانے کا کوئی احساس رکھتی ہو اور نہ ان کے

رشتہ دار اُن کی آزادی کیلئے کوئی کوشش کرتے ہوں اور دوسری طرف خود اُن کی مالی حالت ایسی نہ ہو کہ وہ فدیہ دے کر رہا ہو سکیں تو ایسی صورت میں ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے جنگی قیدیوں کے ٹکراؤ! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں سے اُس غلام کی مدد کرو یعنی اُسے اپنے پاس سے کچھ سرمایہ دے دو کہ اس ذریعہ سے وہ روپیہ کم کر اپنا فدیہ ادا کر سکے اور آزاد ہو جائے۔ گویا اگر وہ خود رہا ہونے کا اپنے پاس کوئی سامان نہیں رکھتا تو تم اپنے اموال میں سے کچھ مال اُسے دیدو کیونکہ مال خدا کا ہے اور خدا کے مال میں سب لوگوں کا حق شامل ہے اس لئے اگر آزادی کے سامان اُس کے پاس مفقود ہیں تو تم خود اُسے خدا کے اموال میں سے کچھ مال دے دو۔

ایسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان حاکموں اور بادشاہوں سے بھی کہا ہے کہ اے مسلمان حاکمو! اور بادشاہو! اللہ تعالیٰ کے اموال میں صرف تمہارا حق ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے حقوق شامل ہیں اس لئے اگر جنگی قیدی تمہارے قبضہ میں آتے ہیں اور اس کے بعد اُن کی قوم اُن سے غداری کرتی ہے اُن کے رشتہ دار اُن سے غداری کرتے ہیں اور وہ انہیں چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے یا فرض کرو کوئی جنگی قیدی مالدار ہے اور اُس کے رشتہ دار چاہتے ہیں کہ وہ قیدی رہے تاکہ اُس کی جائیداد پر وہ قابض ہو جائیں تو ایسی صورت میں ہم تمہیں یہ ہدایت دیتے ہیں کہ اگر قوم نے اُن سے غداری کی ہے یا اُن کے رشتہ دار اُن سے غداری کر رہے ہیں تو تم اُن سے غداری مت کرو بلکہ خود اپنے مال کا ایک حصہ اُن کی آزادی کیلئے خرچ کرو کیونکہ جو مال تمہارا قبضہ میں آیا ہے وہ تمہارا مال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور جس طرح تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو اُسی طرح غلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آؤں اسلام کے نزدیک دنیا کی دولت سب انسانوں کی ہے دوسرے اصل مالک دولت کا اللہ تعالیٰ ہے اس لئے انسان کو اپنے مال کو خرچ کرنے کا کوئی اختیار نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق اُسے اپنی آزادی کو محدود کرنا ہوگا۔

یہ اصل اموال کی ملکیت کے بارہ میں قرآن کریم کے نزدیک ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام بتاتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت آتا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں سے کہا کہ دوسرے لوگوں کے حقوق غصب نہ کرو اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اور اموال کمانے یا اُس کو خرچ کرنے کے وہ طریق اختیار نہ کرو جن سے فساد ہوتا ہے تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ اَصْلُؤْتُکَ تَاْمُرُکَ

أَنْ تَشْرُكَ مَا يَعْْبُدُ آبَاؤُنَا وَأَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الرَّشِيدُ (سورہ ہود ۶۷)

یعنی اے شعیب! یہ کیا بات ہے کہ دومیہ ہمارا مال ہمارا جائیداد میں ہماری ہم بس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں جہاں چاہیں خرچ کریں اور جہاں چاہیں خرچ نہ کریں تم ان معاملات میں دخل دینے والے کون ہو۔ مال تمہارا نہیں کہ تم اس کی تقسیم یا خرچ کے ذمہ دار ہو۔ مال ہمارا ہے ہم اختیار رکھتے ہیں کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ کیا نمازیں پڑھ کر تمہارا سر چکر گیا ہے کہ اب ہمارے مالی معاملات میں بھی دخل دینے لگ گئے ہو کہ اس طرح خرچ کر دو گے تو ثواب ہوگا اس طرح خرچ کر دو گے تو عذاب ہوگا۔ ہمیں نصیحت کرنے اور سمجھانے کا یہ حق نہیں کہاں سے حاصل ہوگی ہے۔ پھر وہ ظن کے طور پر کہتے ہیں کہ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الرَّشِيدُ بڑا غریبوں کا ہمدرد آیا ہے۔ تو تو بڑا حلیم اور بڑا بھلا مانس معلوم ہوتا ہے یعنی یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم حلیم ہو اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تم رشید ہو مگر اب تم حلیم اور رشید بن کر ہم پر رعب جمانا چاہتے ہو۔ ہم تمہارے اس دھوئی کو تسلیم نہیں کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے اموال کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہی پہلے انبیاء کی طرف سے پیش ہوتا چلا آیا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو اموال کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اموال سب خدا کے ہیں اور خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ان کو خرچ کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

ابتداء سے آخر تک سے اموال کے متعلق ایک ہی نظریہ

قومی ترقی کیلئے غرباء کو اُبھارنے کی ضرورت

ان اصول کے بعد میں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے اپنی ابتداء میں ہی غرباء کے اُبھارنے اور انکی مدد کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ سورتیں جو بالکل ابتدائی زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں جب ان کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ابتدائی سورتوں میں سب سے زیادہ غرباء کو اُبھارنے ان کی مدد کرنے اور ان کو ترقی کی دوڑ میں آگے لے جانے کا ذکر آتا ہے اور مومنوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اگر قومی ترقی چاہتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ غرباء کی مدد کریں ان کی تکلیف کو

دور کرنے کی کوشش کریں حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی دوسرے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ ابھی قرآن کریم نے نمازوں کی تفصیل بیان نہیں کی تھی۔ ابھی قرآن کریم نے تجارت کے اصول بیان نہیں کئے تھے۔ ابھی قرآن کریم نے قضا کے احکام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کئے تھے۔ ابھی لین دین کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ ابھی میاں بوی کے حقوق یا راہی اور رعایا کے حقوق یا آقا اور ملازمین کے حقوق کی تفصیلات بیان نہیں ہوئی تھیں لیکن اس ابتدائی زمانہ میں قرآن نے غرباء کو ابھارنے اور انکی مدد کرنے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔ بلکہ اُن کے نہ ابھارنے اور اُن کی مدد نہ کرنے کے نتیجہ میں قوم کی تباہی کی خبر دی اور بتایا کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتی ہے جو غرباء کے حقوق کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

اسلام کی ابتدائی تعلیم میں غرباء کو ابھارنے کی تلقین

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی سورۃ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ اَشْرَأُ بِأَسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ والی سورۃ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ساری سورۃ ایک ہی دن میں نازل ہو گئی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی سورۃ کا ابتدائی ٹکڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور پھر رفتہ رفتہ ساری سورۃ نازل ہو گئی۔ اس سورۃ کے نزول کے بعد قریب ترین عرصہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں اُن میں سے چار سورتیں ایسی ہیں جنکو سر ولیم میور جو یو۔ پی کے نیشنلٹ گورنر رہ چکے ہیں اور یوروپین مصنفین میں غاص عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں سولیو کی (Soliloquy) یعنی محادثہ بالذات کی سورتیں قرار دیتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس میں دعویٰ سے پہلے جو خیالات پیدا ہوا کرتے تھے ان چار سورتوں میں انہیں خیالات کا ذکر آتا ہے۔ سر ولیم میور کے نزدیک یہ چار سورتیں آخری پارہ کی سورۃ البلد سورۃ الشمس سورۃ الليل اور سورۃ الفجر ہیں۔ مفسرین کے نزدیک تو یہ سورتیں سورۃ العلق کے بعد نازل ہوئی ہیں اور تاریخی طور پر بھی یہی بات درست ہے لیکن سورۃ کا خیال ہے کہ یہ سورتیں اَشْرَأُ بِأَسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ والی سورۃ سے بھی پہلے کی ہیں۔ اُن کی بنا استدلال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب کہا اَشْرَأُ یعنی پڑھ۔ تو بہر حال اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہونی چاہیے تھی جسکو پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ اسلامی تاریخ کے لحاظ سے بھی یہ نہایت ابتدائی سورتیں ہیں اور سورۃ کے خیال کے لحاظ سے تو یہ اتنی ابتدائی سورتیں ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے بھی پہلے کی ہیں۔ ان چار سورتوں کو جب ہم دیکھتے

ہیں تو ان میں سے تین میں غرباء کی خبر گیری کو نجات اور ترقی قومی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لوگوں کو غرباء کی خبر گیری اور ان کی خدمات پر ابھارا گیا ہے اور امراء کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے چنانچہ سورۃ البلد میں آتا ہے۔ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لَّبَدًا اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ اَلَمْ تَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَ لِسَانًا وَ شَفَتَيْنِ وَ هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا تُتَحَمَّ الْعُقَبَةُ وَ مَا اَدْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ ذَاكَ رَقَبَةٌ اَوْ اِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَ تَوَّصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَّصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (سورۃ البلد ۴) فرماتا ہے۔ ہر مالدار دنیا میں کتنا ہے اَحْلَكْتُ مَالًا لَّبَدًا میں بڑا مالدار آدمی ہوں۔ میں نے بڑا روپیہ دنیا میں خرچ کیا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ بلکہ کروڑوں روپیہ میں خرچ کر چکا ہوں۔ لَبَدًا کے معنی ڈھیروں ڈھیر کے ہوتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ڈھیر میں خرچ کرتا چلا گیا اور میں نے روپیہ کی کچھ بھی پروا نہ کی اب بتاؤ مجھ سے زیادہ اور کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے عزت دی جائے۔ اور اُسے پبلک میں عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ کیا وہ نادان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے دیکھنے والا دنیا میں کوئی موجود نہیں وہ دعوتیں کرتا ہے اور ایک ایک دن میں سینکڑوں اونٹ ذبح کر دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے ملک پر بڑا احسان کیا۔ فرماتا ہے کیا دنیا اندھی ہے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ یہ سو اونٹ جو قربان کیا گیا ہے محض اسلئے ہے کہ اُسے شہرت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ غرباء کی ہمدردی اور ان کی محبت کا جذبہ اس کے دل میں کام نہیں کر رہا۔ اگر واقعہ میں اُس کے دل میں غریبوں کی تکلیف کا احساس ہوتا۔ وہ ان کی غربت اور تکلیف کو دیکھ کر اپنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتا تو سو سو اونٹ ایک دن میں ذبح کرنے کی بجائے وہ سو دنوں میں ایک ایک اونٹ ذبح کرتا تاکہ غرباء ایک لمبے عرصہ تک بھوک کی تکلیف سے بچے رہتے۔ مگر اس کے مد نظر تو یہ بات تھی ہی نہیں۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ پبلک میں میری شہرت ہو اور لوگ سمجھیں کہ میں بڑا امیر ہوں پس فرماتا ہے اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهُ اَحَدٌ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کوئی دیکھتا نہیں۔ اُس کے اعمال پر کوئی نظر نہیں رکھتا۔ یہ اس کا خیال بالکل غلط ہے۔ دنیا اتنی اندھی اور بیوقوف نہیں ہے وہ جانتی

ہے۔ کہ اس نے جو کچھ خرچ کیا بنی نوع انسان کے فائدہ کیلئے خرچ نہیں کیا بلکہ اپنے نفس کیلئے خرچ کیا ہے۔
 اَلَمْ نَجْعَلْ اَنْفُسَهُمْ عَیِّنٰتٍ فَرَا مَا ہِیَ کیا ہم نے اُسے آنکھیں نہیں دی تھیں؟ کیا وہ نہیں دیکھتا تھا کہ ملک کا
 کیا حال ہے غریب بھوکے مر رہے ہیں اور کوئی اُن کا پُرساں حال نہیں مگر یہ ایک ایک دن میں مَوَسُو دَوَدُو سَو
 اونٹ محض اپنی شہرت کے لئے ذبح کر دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے بڑا کام کیا ہے۔ کیا اُس کی آنکھیں
 نہیں تھیں کہ وہ ملک کا حال دیکھ لیتا۔ وَلِسَانًا وَشَفَنَیْنِ اور اگر اُسے آنکھوں سے اپنے ملک کا حال نظر
 نہیں آتا تھا تو کیا اُس کے مونہ میں زبان نہیں تھی اور کیا یہ لوگوں سے نہیں پوچھ سکتا تھا کہ روپیہ کا صحیح مصرف کیا ہے
 اور مجھے کہاں کہاں خرچ کرنا چاہیے وَهَدَیْنَاهُ النَّجْدَیْنِ پھر کیا ہم نے اس کی دینی اور دنیوی ترقی کے لئے
 اُس کی فطرت میں مادہ نہیں رکھ دیا تھا۔ کیا ہم نے اُس کی فطرت میں یہ مادہ نہیں رکھا کہ یہ خدا تعالیٰ کو پانے اور
 اُس سے محبت پہا کرنے کی تدابیر اختیار کرے اور کیا ہم نے اُس کی فطرت میں یہ مادہ نہیں رکھا کہ یہ بنی نوع انسان
 سے حسن سلوک کرے۔ اگر ان تین طریقوں کو اُس نے استعمال نہیں کیا اور اپنے روپیہ کو بغیر اصول کے خرچ
 کر دیا تو اُس نے روپیہ کو خرچ نہیں کیا بلکہ اُسے تباہ کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ بادجود اسکے
 کہ اُس کی آنکھیں موجود تھیں جن سے یہ غریب کا حال دیکھ سکتا تھا اس کی زبان اور اس کے ہونٹ سلامت تھے۔
 اور یہ لوگوں سے پوچھ سکتا تھا کہ مجھے تو روپیہ کے صحیح مصرف کا علم نہیں تم ہی بتاؤ کہ روپیہ کس طرح خرچ کروں
 اور بادجود اس کے کہ ہم نے اُس کی فطرت میں نیکی اور حسن سلوک کے مادے رکھ دیئے تھے ہم نے خدا کی محبت
 اُس کی فطرت میں رکھ دی تھی اور ہم نے بنی نوع انسان سے حسن سلوک کرنے کا مادہ بھی اس کی فطرت میں
 رکھ دیا تھا فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ مگر ان تمام باتوں کے بادجود وہ اُس گھاٹی پر نہیں چڑھا، وچڑھائی پر چڑھنا
 اُس کے لئے مشکل ہو گیا جیسے موٹا آدمی پہاڑ کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکتا اور راستہ میں ہی تھک کر بیٹھ جاتا ہے
 یہ بھی گھاٹی کو عبور نہ کر سکا اور نام دُخود پر ہی اپنے روپیہ کو برباد کرتا رہا۔

اس قسم کے بے ہودہ اور لغو کاموں پر روپیہ برباد کرنے کی اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً بعض عیاش اُمراء
 کنچنیوں کے نام پر ہزاروں روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ بعض کو روپیہ صرف کرنے کا اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تو
 وہ مشاعرہ کی مجلس منعقد کر کے روپیہ ضائع کر دیتے ہیں۔ اُن کے پُر دس میں ایک بیوہ عورت ساری رات اپنے

بھوکے بچوں کو سینہ سے چٹائے پڑی رہتی ہے۔ وہ بھوک سے بلبلاتے اور پیچھے چلاتے ہیں مگر اسے ان یتیم بچوں کو کچھ کھانے کی توفیق نہیں ملتی اور ہزار ہزار وہ یہ مشاعرہ پر باد کر دیتا ہے محض اس لئے کہ لوگوں میں شہرت ہو کہ فلاں رئیس نے یہ مشاعرہ کرایا ہے۔ فرماتا ہے یہ روپیہ کا خرچ کرنا نہیں بلکہ اُسے ضائع اور برباد کرنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا آذَرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ** تمہیں کچھ معلوم ہے کہ چوٹی پر چڑھنے کا کیا مطلب ہے یعنی ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ چوٹی پر نہیں چڑھا تو تم نہیں سمجھ سکے ہو گے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آؤ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ہمارا کیا مطلب ہے **فَلَا رَفِيقَ بِنَارِ** ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ غلام جو بنی نوع انسان کے قبضہ میں ہیں جو اپنے باپوں اور اپنی ماؤں اور اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں سے جدا ہیں۔ کیا اُس کے دل میں یہ کمی خیال نہیں آیا کہ وہ اُن کو آزاد کرائے اور انہیں بھی آزادانہ زندگی کی فضا میں سانس لینے دے۔ **أَوْ أَطْعَامُ ذِي يَوْمٍ ذِي مَسْجَبَةٍ** یا بجائے اس کے کہ یہ سو سو دو دو سو ادنیٰ ایک ایک دن میں ذبح کرتا اور امراء کو بلا کر اُن کی ایک شاندار دعوت کر دیتا کیوں اُس نے ایسا نہ کیا کہ وہ غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتا **ذِي يَوْمٍ ذِي مَسْجَبَةٍ** قحط کے دنوں میں جبکہ غرباء کو غلہ کی شدید تکلیف ہوتی ہے اور اُن میں سے اکثر فاقہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا سردی کے دنوں میں جبکہ غلہ میں کمی آجاتی ہے اُس کا فرض تھا کہ وہ غرباء کی خبر گیری کرتا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا۔ منگوں کو کپڑے دیتا اور مس طرح اپنے مال کو جائز طور پر صحیح مقام پر خرچ کرتا مگر اُس نے ایسا تو نہ کیا اور ایک ایک دن میں سو سو دو دو سو ادنیٰ ذبح کر کے بڑے بڑے امراء کو کھانا کھلادیا محض اس لئے کہ اس کی شہرت ہو اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو کہ وہ بڑا مالدار ہے **يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ** یا یتیموں کی کو کھانا کھلادیتا۔ بجائے اس کے کہ دعوتوں پر یہ روپیہ برباد کرنا یا جوئے بازی اور مختلف کھیل تماشوں پر اپنی دولت کو ضائع کرتا۔ اگر اس کے دل میں غرباء کا سچا درد ہوتا اگر اُس کے دل میں یتیمی کی خبر گیری کا صحیح احساس ہوتا تو اُسے چاہیے تھا کہ اپنے روپیہ کو بجائے ضائع کرنے کے **يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ** قرابت والے یتیم کو کھانا کھلاتا۔ یہ کیا مطلب نہیں کہ اپنی قرابت والے یتیم کو وہ کھانا کھلاتا کیونکہ اپنی قرابت دار یتیم کو تو بہت کچھ بھی کھانا کھلادیا کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ کہ یتیم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ یتیم ہوتا ہے جس کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہوتا۔ اُسے دیکھ کر بعض دفعہ سنگدل و سنگدل انسان کے دل میں بھی رحم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ اُسے کھانا کھلادیتا ہے مگر ایک یتیم ایسا ہوتا ہے

جس کے بھائی موجود ہوتے ہیں جس کی بہنیں موجود ہوتی ہیں جس کے چچا اور دوسرے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ لوگ
 ایسے یتیموں کی طرف کم توجہ کرتے ہیں۔ اس لئے فرماتا ہے اگر کوئی ایسا یتیم ہو جس کے اپنے رشتہ دار موجود ہوں
 تب بھی اُس کے دل میں اتنا درد ہونا چاہیئے تھا کہ وہ اس یتیم کو دیکھ کر سمجھتا کہ یہ یتیم میرا ہے انکا نہیں۔ باوجود
 اس کے کہ اُس کے اپنے رشتہ دار موجود ہوتے اس کے دل میں یتیم کی اتنی محبت ہوتی کہ وہ سمجھتا کہ میں ہی اس کا
 نگران اور پرسانِ حال ہوں وہ اس کے نگران نہیں ہیں اَوْ هَسْبُكُمَا ذَا مَثْرَبَةٍ یَا اُس نے کیوں ایسے مسکین کو
 کھانا نہ کھلایا جو ذَا مَثْرَبَةٍ تھا یعنی اپنی کمزوری اور ضعف کی وجہ سے پروٹسٹ اور احتجاج بھی نہیں کر سکتا تھا۔
 کسی کے گھر پر دستک بھی نہیں دے سکتا تھا بلکہ ایسا تھا جیسے مٹی پر گری پڑی چیز ہو۔ دنیا میں بعض ایسے مساکین
 ہوتے ہیں جو لوگوں کے دروازوں پر پہنچ کر اپنی غربت اور مسکنت کا حال بیان کرتے ہیں اور ان سے امداد
 کے طالب ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو دروازوں پر پہنچ کر خوب شور مچاتے اور آخر گھر والوں سے
 کچھ نہ کچھ لے کر اگلے دروازہ پر جاتے ہیں اور بعض ایسے مسکین ہوتے ہیں جن کو اگر کچھ دیا نہ جائے۔ تو وہ
 دروازے سے ہٹتے ہی نہیں ایسے مساکین کو خرگدا کہا جاتا ہے۔ پھر کئی ایسے مسکین بھی ہوتے ہیں۔ جو باقاعدہ
 پروٹسٹ کرتے ہیں مظاہرے کرتے ہیں اور وفد بنا کر حکومت کے پاس پہنچتے ہیں یا امراء کے پاس جاتے ہیں
 اور ان سے امداد کے طالب ہوتے ہیں ایسے مساکین کو تو لوگ پھر بھی کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ اشد تعالےٰ فرماتا ہے
 ہم تو تم سے امقدر ہمدردی اور محبت کی امید رکھتے تھے کہ وہ مسکین جو مٹی پر گرا پڑا ہے جو جنگل میں اکیلا بے بس اور
 بے بس پڑا ہے جس میں مظاہرہ کرنے کی بھی ہمت نہیں جس میں کسی کے دروازے تک پہنچنے کی بھی طاقت نہیں۔ نہ
 وہ ٹریڈ یونین کا ممبر ہے نہ کسی اور ایسی مجلس کا جو اپنے حقوق کیلئے شور مچاتی ہے۔ وہ بیمار کمزور اور نحیف الگ ایک
 گوشہ تنہائی میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں۔ مددش کا اُس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں وہ بے بس اور
 بکیں نہایت کس مہم کی حالت میں پڑا ہوا ہے اور وہ اپنے اندر اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی کے دروازہ پر حاکم
 جاسکے تمہارا فرض تھا کہ تم اُس سہارے کے محتاج کے پاس جاتے اور اس خاک مذلت پر پڑے ہوئے مسکین
 کی خبر گیری کرتے۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الْغَافِلِينَ پھر یہ شخص اپنی ہمدردی اور اپنی محبت اور اپنے
 حسن سلوک میں اس قدر ترقی کرتا کہ جب وہ یہ سب کچھ کر چلتا تو ہم اس سے یہ امید رکھتے کہ وہ

یہ نہ کہتا کہ میں نے فلاں غریب کی پرورش کی میں نے فساد سکین کی خبر گیری کی بلکہ وہ خدا کے حضور نہایت
عجز اور انکسار کے ساتھ یہ عرض کرتا کہ اے میرے رب میں نے تیرے حکم کو پورا کرنے کی کس قدر کوشش
کی ہے۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس حکم کو صحیح طور پر ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ گویا بجائے احسان جتانے
کے تم مومن ہشتے اور سمجھتے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا۔ اپنے مہربان آقا کے ایک حکم کو پورا
کیا ہے اور وہ بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اس کے غائد کردہ فرض کو صحیح طور پر ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ **وَتَوَاصَوْا**
بِالصَّبْرِ پھر اس سے بھی ترقی کر کے تم مالک کی مصیبتوں کے اپنے آپ کو ذمہ دار بناتے ہی نہیں کہ خود تو
عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے اور غریبار تکالیف میں دن گزار دیتے۔ جیسے آجکل کنٹرول کی وجہ سے امراتو
چیزیں بے جاتے ہیں مگر غریبار وہ جاتے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ تم قربانی کر کے غریب کی مدد کرتے بلکہ اس سے
بڑھ کر ہم تم سے یہ امید کرتے تھے کہ تم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی اس راہ پر چلانے کی کوشش کرتے
اور تمام کے تمام افراد ملک ل کر ملک کی بہتری کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے۔ پھر فرماتا ہے
کہ اس سے بھی زیادہ ہم یہ چاہتے تھے کہ **تَوَاصَوْا بِالنُّصْحَةِ** یعنی سب نیکیاں کر کے پھر بھی سمجھتے
کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہتے کہ اور زیادہ غریبوں اور کمزوروں پر رحم کرو
اور ان سے محبت کرو اور یہ نصیحت مرتے دم تک جاری رہتی۔

یہ اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ کی تعلیم ہے جب قرآن کریم کے نزول کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔ جب
تفصیلی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی نازل نہیں ہوئے تھے اور جب مکہ دے بھی ابھی اسلام سے پورے
طور پر واقف نہیں ہوئے تھے۔ سر مہیور کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ ابتدائی خیالات ہیں جن
سے متاثر ہو کر آپ نے نعوذ باللہ نبوت کا دعویٰ کیا اور ہمارے نزدیک یہ وہ ابتدائی الہامات ہیں جن کے شعل
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشرار کا حکم ہو تھا کہ جاؤ اور لوگوں کو ان کا قائل بناؤ۔ بہر حال اسلام کی بنیاد کے وقت
کی تعلیم صاف طور پر بتا رہی ہے کہ اسلام نے شرور میں ہی کم دیا تھا کہ جہاں اسلام فرد کی آزادی اور اس کی
شخصی ترقی کے لئے جدوجہد کو جاری رکھتا ہے وہاں وہ اس امر کی بھی اجازت نہیں دے سکتا کہ کچھ لوگ
نوعیش و آرام کی زندگی بسر کریں اور کچھ لوگ تکلیف اور دکھ کی زندگی بسر کریں۔

اسلام کا عدم مساوات کو روکنا

غلامی

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ غیر طبعی اور غیر مساوی سلوک جو دنیا میں شروع زمانہ سے چلا آتا ہے اور جسے اسلام نے قطعاً روک دیا اُس کی بڑی وجہ غلامی تھی۔ آج کل کے لوگ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ دنیا کی اقتصادیات کا غلامی کیسا تھک کیا تعلق ہے مگر درحقیقت غلامی اور اقتصادیات کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غلامی کو بالکل روک دیا۔ اسلام سے پہلے بلکہ ظہور اسلام کے بعد بھی دنیا کے ایک بڑے حصے میں غلامی کا طریق رائج رہا ہے۔ چنانچہ آپ رومن۔ یونانی۔ مصری اور ایرانی تاریخ کو پڑھ کر دیکھیں آپ کو ان میں سے ہر ملک کی ترقی کی بنیاد غلامی پر رکھی ہوئی نظر آئیگی۔ یہ غلام دو طرح بنائے جاتے تھے۔ ایک طریق تو یہ تھا کہ ہمسایہ قومیں جن سے جنگ ہوتی تھی ان کے افراد کو جہاں اِکاڈ کا نظر آئے پکڑ کر لے جاتے اور انہیں غلام بنالیتے۔ چنانچہ رومی لوگ ایرانیوں کو پکڑ کر لے جاتے اور ایرانیوں کو موقع ملتا تو وہ رومیوں کو پکڑ کر لے جاتے اور سمجھتے کہ اس طرح ہم نے دوسرے ملک کو سیاسی لحاظ سے نقصان پہنچایا ہے۔ دوسرا طریق یہ تھا کہ لوگ غیر مذہب ہمسایہ اقوام کی عورتیں انکے بچے پکڑ کر لے جاتے اور انہیں اپنی غلامی میں رکھتے۔ اول الذکر حرب موقع ملے اور ثانی الذکر طریق بطور دستور ان میں جاری تھا۔ بلکہ یہ طریق اٹھارویں صدی تک دنیا میں رائج رہا، چنانچہ مغربی افریقہ سے لاکھوں غلام یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں لے جائے گئے جو اب تک وہاں موجود ہیں اور گو اب وہ آزاد ہو چکے ہیں مگر دو تین کروڑ باشندے اب بھی امریکہ میں ایسے موجود ہیں جو مغربی افریقہ سے بطور غلام وہاں پہنچائے گئے تھے۔ متمدن اقوام کی غرض اس سے یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے ملک کی دولت کو بڑھائیں۔ چنانچہ ان غلاموں سے کئی قسم کے کام لے جاتے تھے۔ کہیں ان کو کارخانوں میں لگا دیا جاتا تھا۔ کہیں جہازوں کا کام ان کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اس طرح محنت و مشقت کے سب کام جو قومی ترقی کے لئے ضروری ہوتے تھے وہ ان غلاموں سے لئے جاتے تھے۔ مثلاً سستی چیزیں پیدا کرنا اور زیادہ نفع کمانا مقصود ہوتا تو ان غلاموں کو زمینوں کی آب پاشی اور فصلوں کی کاشت اور نگرانی پر مقرر کر دیا جاتا۔

اسلام میں جنگی قیدیوں کے علاوہ غلام بنانے کی ممانعت

غرض اس طریق سے ایک طرف تو بنی نوع انسان کے ایک حصہ کو مسادہ
سے محروم کیا جاتا تھا اور دوسری طرف اپنے ملک کی دولت کو بڑھایا
جاتا تھا۔ قرآن کریم نے ان دونوں طریقوں کو قطعاً روک دیا۔ چنانچہ

فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَمْرٌ حَتَّى يُشْخِنَ فِي الْأَرْضِ تَرْيِدُونَ غَرْضَ الدُّنْيَا
وَاللَّهُ يَرْيِدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ انفال ۷) فرماتا ہے۔ ہم نے کسی نبی کے لئے نہ پہلے
یہ جائز رکھا ہے اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ بغیر اس کے کہ کسی حکومت سے باقاعدہ لڑائی ہو۔ ان کے
افراد کو غلام بنالیا جائے۔ اگر کسی حکومت سے جنگ ہو اور جنگ بھی سیاسی نہیں بلکہ مذہبی تو عین میدان جنگ
میں قیدی پکڑے جاسکتے ہیں اور اس کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن تمہیں یہ حق نہیں کہ بغیر کسی مذہبی
جنگ کے دوسری قوم کے افراد کو قیدی بناؤ یا میدان جنگ میں تو نہ پکڑو لیکن بعد میں ان کو گرفتار کر کے
قیدی بنا لو۔ قیدی بنانا صرف اُس صورت میں جائز ہے جب کسی قوم سے باقاعدہ جنگ ہو۔ دین میدان جنگ
میں دشمن قوم کے افراد کو بطور جنگی قیدی گرفتار کر لیا جائے۔ گویا وہ قوم جس کے خلاف اعلان جنگ نہیں ہوا
اس کے افراد کو پکڑنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح وہ قوم جس سے جنگ ہو اُس کے افراد کو بھی میدان جنگ کے
علاوہ کسی جگہ سے بعد میں پکڑنا جائز نہیں ہے صرف لڑائی کے دوران میں لڑنے والے سپاہیوں کو یا ان کو جو لڑ
نے والے سپاہیوں کی مدد کر رہے ہوں پکڑ لیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو وہ بعد میں
دوسرے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے تَرْيِدُونَ غَرْضَ الدُّنْيَا
اے مسلمانو! کیا تم دوسرے لوگوں کی طرح یہ چاہتے ہو کہ تم غیر اقوام کے افراد کو پکڑ کر اپنی طاقت اور قوت کو بڑھاؤ۔
وَاللَّهُ يَرْيِدُ الْآخِرَةَ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم دنیا کے پیچھے چلو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اُن احکام
پر چلنا بہ انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتر ہوں اور اگلے جہان میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی
خوشنودی کا مستحق بنانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور انجام کے خوشگوار ہونے کے لحاظ سے یہی حکم
تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم سوائے جنگی قیدیوں کو جنہیں دوران جنگ میں گرفتار کیا گیا ہو اور کسی کو قیدی مست
بناؤ۔ گویا جنگی قیدیوں کے سوا اسلام میں کسی قسم کے قیدی بنانے جائز نہیں۔ اس حکم پر شروع اسلام میں اس

منہی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ مین کے لوگوں کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اور اُس نے شکایت کی کہ اسلام سے پہلے ہم کو سیچیوں نے بلا کسی جنگ کے یونہی زور سے غلام بنا لیا تھا۔ ورنہ ہم آزاد قبیلہ تھے ہمیں اس غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گو یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مگر پھر بھی میں اس کی تحقیقات کروں گا۔ اگر تمہاری بات صحت ثابت ہوئی تو ہمیں فوراً آزاد کرا دیا جائیگا۔ لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یورپ اپنی تجارتوں اور زراعتوں کے فروغ کیلئے انیسویں صدی کے شروع تک غلامی کو جاری رکھتا چلا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی تاریخ سے ایک غیر اسلامی غلامی کا بھی پتہ لگتا ہے۔ مگر پھر بھی غلاموں کے ذریعہ سے ملکی طور پر تجارتی یا صنعتی ترقی کرنے کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

اب رہے جنگی قیدی۔ سوان کے بارے میں اسلام یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اَمَّا
مَنْ بَعْدُ وَرَا مَّا خِدَاءً (سورہ محمد ۶) یعنی جب لڑائی میں تمہارے پاس قیدی
آئیں تو تمہارے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ اب ہمیں انکے متعلق کیا کرنا چاہیے

اسلامی تعلیم کے مطابق
جنگی قیدیوں کی رہائی

سو یاد رکھو ہمارا حکم یہ ہے کہ اَمَّا مَنَّا بَعْدُ یا تو احسان کر کے انہیں بلا کسی تادان کے آزاد کر دو۔ وَاَمَّا خِدَاءً
یا پھر تادان لے کر انہیں رہا کر دو۔ ان دو صورتوں کے سوا کوئی اور صورت تمہارے لئے جائز نہیں۔ بہر حال تمہارا
فرض ہے کہ تم ان دو میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرو۔ یا تو یونہی احسان کر کے ان کو رہا کر دو۔ اور
سمجھ لو کہ تمہارے اس فعل کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تم سے خوش ہو گا۔ اور اگر تم اقتصادی مشکلات کی وجہ سے
احسان نہیں کر سکتے تو وہ تادان جو عام طور پر حکومتیں وصول کیا کرتی ہیں وہ تادان لے کر قیدیوں کو رہا کر دو
لیکن چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ایک شخص فدیہ دینے کی طاقت اپنے اندر نہ رکھتا ہو اور حکومت یا اسکے رشتہ دار
بھی اُس کو چھڑانے کیلئے کوئی کوشش نہ کریں اور اُس کے ساتھ ہی قیدی کے نگران کی بھی یہ حالت ہو کہ وہ
بغیر فدیہ کے اُسے آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے اسلام نے اس کا یہ علاج بتایا کہ وہ غلام تادان
جنگ کی قسطن مقرر کر کے آزاد ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكُتُبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ حَتَّىٰ اَوْفَوْهُم مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اَنۡاٰکُم (سورہ نور ۲۴)

یعنی اگر کوئی اسب قیدی ہو جسے تم احسان کر کے نہ چھوڑ سکو اور اُس کے رشتہ دار بھی اس کا ذریعہ نہ دے سکیں تو اس صورت میں ہماری یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ آزاد ہونا چاہے تو وہ نگران سے کہے کہ میں خود روپیہ لکھ کر قسط وار ذریعہ ادا کرتا ہوں گا۔ آپ مجھے آزاد کر دیں۔ اگر وہ قسط وار ذریعہ ادا کرنے کا قرار کرے تو اسلامی تعظیم کے ماتحت وہ اسی وقت آزاد ہو جائیگا۔ پھر فرمایا ہم تمہیں اس کے ساتھ یہ بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہیں توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہوا ہو۔ تو چونکہ مال خدا کا ہے اور غلام بھی خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے اس لئے تم اپنے مال میں سے ایک حصہ اسے بطور سرمایہ دیدو تاکہ وہ اس پر اپنے کاروبار کی بنیاد رکھ کر آسانی سے قسطیں ادا کر سکے۔ اب بتاؤ کیا کوئی بھی صورت ایسی رہ جاتی ہے جس میں کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہو اتنے وسیع احکام اور اتنی غیر معمولی رعایتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص غلامی سے آزاد ہونا پسند نہیں کرتا اور اپنی مرضی سے کسی مسلمان کے پاس رہتا ہے تو سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ خود اپنے گھر کے ظلموں سے بیزار ہے اور جانتا ہے کہ اگر میں آزاد ہو کر اپنے گھر گیا تو مجھے زیادہ تکلیف اٹھانی پڑے گی اس لئے میرے لئے یہی بہتر ہے کہ اس زندگی کو ترجیح دوں۔ در نہ غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ کوئی ایک صورت بھی ایسی نہیں رہ جاتی جس میں کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہو۔ پہلے تو یہ حکم دیا کہ تم احسان کر کے بغیر کسی تاوان کے ہی انکو رہا کر دو۔ پھر یہ کہا کہ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تاوان وصول کر کے آزاد کر دو اور اگر کوئی شخص ایسا رہ جائے جو خود تاوان ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو حکومت بھی اس کے معاملہ میں کوئی دلچسپی نہ لیتی ہو اور اُس کے رشتہ دار بھی لاپرواہ ہوں تو وہ تم کو نوٹس دے کر اپنے تاوان کی قسطیں مقرر کر داسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جہاں تک اُس کی کمائی و تنفق سے قسط چھوڑ کر سب اُس کی ہوگی۔ اور وہ عملاً پورے طور پر آزاد ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت
ایک غلام کے ہاتھ سے

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے غلام نے ہی مارا تھا جس نے مکاتبت کی ہوئی تھی۔ وہ غلام جس مسلمان کے پاس رہتا تھا اُن سے ایک دن اُس نے کہا کہ میری اتنی حیثیت ہے آپ مجھ پر تاوان ڈال دیں میں ماہوار قسط کے ذریعہ آہستہ آہستہ تمام تاوان ادا کر دوں گا۔ انہوں نے ایک معمولی سی قسط مقرر کر دی اور وہ ادا کرتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے پاس اُس نے شکایت کی کہ میرے مالک نے مجھ پر بھاری قسط مقرر کر

کہتی ہے آپ اُسے کم کرادیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کی آمدن کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جتنی آمد کے
 اندازہ پر قسط مقرر ہوئی تھی اُس سے کئی گنا زیادہ آمد وہ پیدا کرتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر
 فرمایا کہ اس قدر آمد کے مقابلہ میں تمہاری قسط بہت معمولی ہے اُسے کم نہیں کیا جاسکتا۔ اس فیصلہ سے اُسے
 سخت غصہ آیا اور اُس نے سمجھا کہ میں چونکہ ایرانی ہوں اسلئے میرے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے۔ اور میرا ملک
 کا عرب ہونے کی وجہ سے لحاظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس غصہ میں اُس نے دوسرے ہی دن خنجر سے آپ پر
 حملہ کر دیا۔ اور آپ انہی زخموں کے نتیجہ میں شہید ہو گئے۔

غرض اسلام نے یہ حق مقرر کیا ہوا تھا کہ اگر کوئی غلام آزاد ہونا چاہے تو وہ قسط وار تادان کو ادا کرنا شروع کر دے۔ اور اگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی کام شروع کرنے کے قابل نہ ہو تو اُس صورت میں اَللّٰهُ الَّذِیْ اَتَاکُمْ کُلَّ مَا تَسْئَلُوْنَ کا حکم تھا۔ یعنی مالک خود مدد کر کے عفویت مسلمہ مدد کر کے اُسے آزادی کا معاہدہ کر دے۔

جنگی قیدیوں کے حسن سلوک کی تعلیم | کام کے بارہ میں یہ ہدایت دی کہ جب تک وہ گھر میں رہے اُس سے وہی کام ہو جو وہ کر سکتا ہو۔ اگر کوئی مشکل کام ہو تو اس کے ساتھ مثال ہو جاؤ۔ اُسے گالی نہ دو۔ اگر وہ مزدوری کرتا ہے تو اُس کی مزدوری اُسے پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو۔ اگر کام کرنے والا آزاد ہے اور مالک اُسے مار بیٹھتا ہے تو وہ حق رکھتا ہے کہ عدالت میں جائے اور قصاص کا مطالبہ کر کے اسلامی قصاص سے اُسے مراد لوائے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو میرا نوکر تھا اور مجھے اس کو پیٹنے کا حق تھا۔ اسلام اس قسم کے حق کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ نوکر کو اجازت دیتا ہے کہ اگر اُسے پیٹا جائے تو قصاص اپنے مالک کے خلاف دعویٰ دائر کرے اور اُسے مراد لوائے اور اگر وہ آزاد نہیں بلکہ غلام ہے تو اگر وہ اپنے ایک تھپڑ بھی مار بیٹھے تو اسلامی حکومت کو حکم ہے کہ وہ اُسے فوراً آزاد کرادے اور نگران سے کہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی قیدی کو اپنے پاس رکھ سکو۔ پھر حکم دیا کہ جو کچھ خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ جو خود پیو وہی انکو پیناؤ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے زمانہ میں کئی غلام اپنے گھروں کو واپس جانا پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم گھر گئے تو ہمیں دال بھی نصیب نہیں ہوگی مگر یہاں تو روزانہ اچھا کھانا کھانے کو ملتا ہے اور پھر مالک

کی یہ حالت ہے کہ وہ پہلے ہمیں کھلاتا ہے اور بعد میں آپ کھاتا ہے۔ ایسے مزے ہمیں اپنے گھروں میں کہاں میسر آ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب مسلمان بادشاہ بنے اور حکومت اُن کے ہاتھ میں آئی تو وہ غلاموں کو اپنے گھروں سے نکالتے بھی تھے تو وہ نہیں نکلتے تھے۔ وہ کہتے تھے فدیہ دو اور آزاد ہو جاؤ۔ مگر وہ فدیہ نہ دیتے۔ وہ کہتے تھے اگر فدیہ نہیں دے سکتے تو ہم سے قسطنطین مقرر کر لو۔ اور آزاد ہو جاؤ۔ مگر وہ قسطنطین بھی مقرر نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم آزاد ہو کر واپس چلے گئے تو پھر وہ مزے ہمیں حاصل نہیں ہونگے۔ جو اب حاصل ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کچھ لوگ غلام بھی رہے ہوں تو دنیا کو ایسی غلامی پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

غلامی اور اقتصادیات | یہ غلامی کا مضمون نہیں لیکن دنیا کی لمبی تاریخ میں غلامی اور ملکوں کے اقتصادی نظام آپس میں ملے چلے آتے ہیں۔ روس میں سائے سیریا کی آبادی غلاموں یا سیاسی قیدیوں ہی کی زمین منت تھی۔ ایسی طرح امریکہ کی آبادی غلامی یا سیاسی قیدیوں ہی کی زمین منت تھی وہ اپنے علاقوں کو کبھی خود آباد نہیں کر سکتے تھے۔ لاکھوں لاکھ غلام وہ مغربی افریقہ سے لائے۔ اور وہ امریکہ کے بے آباد علاقوں کو آباد کر گئے۔ آج امریکہ اپنی دولت پر نازاں ہے۔ اپنی تجارت اور اپنی صنعت پر نازاں ہے مگر امریکہ کی یہ دولت اور امریکہ کی آبادی زمین منت ہے اُن حبشی غلاموں کی جن کو وہ مغربی افریقہ سے پکڑ کر لائے۔ ایسی طرح یونان اور روما کی تاریخ بتاتی ہے کہ اُن کی آبادی بھی غلاموں کی خدمات کی زمین منت ہے۔ مصر کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ اس کی آبادی غلاموں کی خدمات کی وجہ سے ہوئی۔ فرانس اور سپین کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ اُن کی ترقی اُن خدمات کی زمین منت تھی جو آج سے دس سو سال پہلے اُن ممالک میں غلاموں نے سرانجام دیں اور جنہوں نے اُن کی اقتصادی حالت کو ترقی دیکر کہیں سے کہیں سنبھال دیا۔ پس غلامی اور اقتصادی مسائل چونکہ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے میں نے بتایا ہے کہ اسلام کا نظام کیسا کامل ہے کہ اُس نے شروع سے ہی غلامی پر تبرک کھدیا اور کہہ دیا کہ اس کے ذریعہ جو ترقی ہوگی۔ وہ کبھی شرفیاء اور باعزت ترقی نہیں کھلا سکتی۔

عام اقتصادی نظام

اقتصادی نظام کے متعلق دو قسم کے نظریے | اب میں عام اقتصادی نظام کو لیتا ہوں لیکن اس

مضمون کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ وہ مذاہب جو حیات مابعد الموت کے قائل ہیں اقتصادی نظام کے بارے میں انفرادی آزادی کے قیام کے پابند ہیں۔ درحقیقت دنیا میں دو قسم کی قومیں پائی جاتی ہیں ایک وہ ہیں جو مذہبی ہیں اور دوسری وہ ہیں جو لامذہبی ہیں۔ جو اقوام لامذہب ہیں وہ تو ہر قسم کے نظام کو جو ان کی عقل میں آجائے تسلیم کر سکتی ہیں لیکن وہ اقوام جو مذہب کو قبول کرتی ہیں وہ اصرار کریں گی کہ دنیا میں ایسا ہی نظام ہونا چاہیے جو مرنے کے بعد کی زندگی پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت وہ مذاہب جو حیات بعد الموت کے قائل ہیں۔ لازماً

اقتصادی نظام کے بارے میں انفرادی آزادی کے قیام کے پابند ہونگے۔ کیونکہ جو لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو زندہ کیا جائیگا وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو لوگ نیک اعمال بجالائیں گے انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب انکو حاصل ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ان کے شامل حال ہوگی اس کی تدبیریت اور سببیت انہیں ڈھانپے ہوئے ہوگی۔ وہ مقربانِ بارگاہِ الہی میں شامل ہونگے۔ ہر قسم کے اعلیٰ روحانی علوم ان کو حاصل ہونگے۔ اور دنیا کی سب کمزوریاں دور ہو کر علم و عرفان کا کمال انکو حاصل ہوگا یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص کہہ دے یہ عقیدہ بالکل غلط ہے جھوٹ ہے وہم ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن بہر حال جو شخص یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہمیں ملنے والی ہے۔ وہ لازماً اس دنیا میں ایسے ہی اعمال بجالائیگا جو اس کے نزدیک اگلے جہان کی زندگی میں اس کے کام آنے والے ہوں۔ وہ کبھی اس مادی دنیا کے فوائد پر آخری زندگی کے فوائد کو قربان نہیں کر سکتا کیونکہ اس دنیا کے فوائد تو پچاس ساٹھ یا سو سال تک حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر اگلے جہان کی زندگی بعض اقوام کے نزدیک کروڑوں اور اربوں سال تک اور بعض کے نزدیک دائمی ہے یعنی وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ پس اگر یہ دونوں زندگیاں آپس میں تسلسل رکھتی ہیں اگر یہ دنیا ہماری ایک منزل ہے آخری مقام نہیں ہے تو لازماً ہر شخص جو حیات بعد الموت کا

قائل ہے وہ آخری زندگی کے فیہ سفر کے فوائد کو ترجیح دیگا اور اس دنیا کے چھوٹے سفر کے فوائد کو اگر وہ اس کی آخری ترقی کے راستے میں حائل ہوں قربان کر دیگا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مذاہب جو اگلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں انکا یہ بھی اعتقاد ہے کہ دنیا میں جو طوعی نیک کام کئے جاتے ہیں انہیں پر اگلی زندگی کے اچھے یا بُرے ہونیکا دار و مدار ہے چنانچہ جتنے لوگ آخری حیات کے قائل ہیں وہ سب کے سب دنیا کو دارالمزرفہ سمجھتے ہیں جس طرح ایک وقت کھیتی میں بیج بونے کا ہوتا ہے اور دوسرا وقت اس بیج سے پیدا شدہ فصل کو کاٹنے کا ہوتا ہے اور عقلمند زمیندار وہی چیز ہوتا ہے جسکو فصل پر کاٹنے کی وہ خوش رکھتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اس زندگی کو اگلے جہان کی زندگی کا ایک تسلسل سمجھتا ہے جو اس دنیا کو عالم مزرفہ قرار دیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس جہان کے اعمال اگلی زندگی میں میرے کام آئیں گے وہ لازماً اس جہان کی کھیتی میں وہی جنس بوٹیکا جس کے متعلق وہ جانتا ہوگا کہ اگلے جہان میں وہ جنس میرے کام آئیگی۔ اب خواہ آپ لوگ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو پاگل کہیں ویوانہ کہیں جاہل کہیں۔ بہر حال جو شخص مانتا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ایک نئی زندگی بنی نوع انسان کو حاصل ہوگی وہ لازماً اس دنیا کی زندگی کو تابع کر لیا اگلے جہان کی زندگی کے۔ اور چونکہ اس دنیا کے ایسے ہی کاموں پر اگلے جہان کی زندگی کا مدار ہے جو اپنی خوشی اور مرضی سے طوعی طور پر کئے جائیں اس لئے لازماً وہ وہی اقتصادی نظام پسند کریگا جس میں اقتصادی طور پر ایک وسیع دائرہ میں افراد کو آزادی دی گئی ہو کیونکہ اگر آزادی نہ دی گئی ہو تو جن کاموں کو وہ نیک سمجھتا ہے جن کاموں کو اختیار کرنا وہ اپنی آخری حیات کے لئے ضروری قرار دیتا ہے ان میں اُس کا دائرہ عمل وسیع نہیں ہوگا اور وہ سمجھیکا کہ دائرہ عمل کے تنگ ہونے کی وجہ سے میں گھائے میں رہوں گا۔ گویا مابعد الموت اعلیٰ زندگی کا دار و مدار ہے اس دنیا کے طوعی نیک کاموں پر۔ اور طوعی نیک کاموں کا مدار اقتصادی حریت پر ہے۔ اگر اقتصادی طور پر افراد کو ایک وسیع دائرہ میں آزادی نہ دی جائے تو طوعی نیک کاموں کا سلسلہ اور اخلاق فاضلہ کی دعوت بند اور محدود ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنے آپکو گھائے میں سمجھتا ہے پس جو مذاہب مرنے کے بعد کی زندگی کا قائل ہے اور اس دنیا کو عالم مزرفہ سمجھتا ہے وہ پابند ہے اسکا کہ سوائے اشد مجبوری حالتوں کے انفرادی آزادی کو اقتصادیات میں قائم رکھے۔

اسلام کا اقتصادی نظام میں انفرادی آزادی کو ملحوظ رکھتا ہے اس مسئلہ کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلام سب زیادہ حیات بعد الموت

کا قائل ہے اس لئے اسلام مقرر ہے اس بات پر کہ اقتصادیات میں انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ قائم رکھا جائے کیونکہ وہ جتنا زیادہ آزاد ہوگا اُسی قدر زیادہ اپنی مرضی سے کام کر کے اگلے جہان کی زندگی کو مددگار سکے گا۔ اگر زندگی کے ہر پہلو کو مختلف قسم کے جالوں میں جکڑ دیا گیا تو وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکیگا اور جب کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکیگا تو اُسے اگلے جہان میں کسی ثواب کی بھی امید نہیں ہو سکیگی۔ کیونکہ ثواب ملتا ہے طوعی نیک کاموں پر۔ اگر ایک شخص جبر کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے تو گو وہ کام کیسا ہی اچھا ہو جب اگلے جہان میں اعمال کی جزا کا وقت آئیگا تو اُسے کہا جائیگا کہ یہ کام تم نے نہیں کیا۔ یمن نے کیا ہے۔ یہ کام تم نے نہیں کیا۔ سٹالن نے کیا ہے۔ یہ کام تم نے نہیں کیا۔ انگریزوں نے کیا ہے۔ غرض جتنے کام انسان جبر کے ماتحت کرتا ہے اُس میں وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ پس ایک سچے مسلمان کو جو اپنے مذہب کی بنیاد کو سمجھتا ہے حریت شخصی کے مٹا دینے کا قائل کرنا ناممکن ہے۔ اسی صورت میں وہ اس امر کو تسلیم کرے گا جب وہ اپنے مذہب کی بنیاد کا ہی انکار کر دیگا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو مسلمان کہلاتا ہو وہ اسلام کی تعلیم سے بدظن ہو جائے اور وہ اُس تعلیم کا قائل ہی نہ رہے جو اسلام نے اقتصادیات کے متعلق دی ہے۔ مگر جو شخص اسلام کی تعلیم پر یقین رکھتا ہو جو اس کے اقتصادی نظریات کو جزو ایمان قرار دیتا ہو وہ کبھی بھی حریت شخصی کو اصولی طور پر مٹا دینے کا قائل نہیں ہو سکتا۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد دو اصولوں پر | ان حالات میں یہ امر آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام کوئی منصفانہ اور عادلانہ اقتصادی نظام قائم کرے گا تو اُس کی بنیاد ان دو اصولوں پر ہوگی۔

(۱) بنی نوع انسان میں منصفانہ تقسیم اموال اور مناسب ذرائع کسب کی تقسیم کا اصول طوعی فردی قربانی پر ہونا چاہیئے۔ تاکہ دنیا کی اقتصادی حالت بھی درست ہو اور اُس کے ساتھ ہی انسان اپنی آخری زندگی کیلئے بھی سامان جمع کرے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کے مونہہ میں ثواب اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے لقمہ ڈالتا ہے وہ ایسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ صدقہ کرنے والا۔ اب دیکھو یہ فعل وہ جس میں انسان کی اپنی خواہش کا دخل ہے۔ وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی سے

پیار کرتا ہے اور اُس سے محبت کرنے میں لذت حاصل کرتا ہے لیکن اگر وہ اپنی نیت کو بدل ڈالے اور بجائے اپنی محبت کے خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا اور خوشنودی کو محبت اور پیار کا موجب بنائے تو یہی چیز اُس کیلئے ثواب کا موجب بن جائیگی۔ روٹی اس کے پیٹ میں اُسی طرح جائیگی بسطرح پہلے جاتی تھی۔ کپڑا اُس کی بیوی کے تن پر وہی مقصد پورا کریگا جو مقصد وہ پہلے پورا کرتا تھا۔ مگر اس صورت میں جب وہ خدا کے لئے اس سے محبت کریگا جب وہ خدا کے لئے اُس سے پیار کریگا۔ نہ صرف وہ اپنی بیوی کو خوش کریگا۔ نہ صرف وہ اپنے آپ کو خوش کریگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی ثواب کا اُمیدوار ہوگا کیونکہ اُس نے یہ فعل خدا کی رضا کے لئے کیا ہوگا۔

(۲) دوسرا اصل اسلام کا یہ ہے کہ چونکہ موال اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اُس نے سب مخلوق کے لئے پیدا کئے ہیں اس لئے جو حقہ اوپر کی تدبیر سے پورا نہ کیا جاسکے اُس کے لئے قانونی طور پر تدارک کی صورت پیدا کی جائے۔ یعنی جو حقہ طوعی نظام سے پورا نہ ہو اور ادھورا رہ جائے۔ اُسے قانونی طور پر مکمل کرنے کی کوشش کی جائیگی اور الٰہی نظام کو خراب نہیں ہونے دیا جائیگا۔

پس اسلامی اقتصاد نام ہے فردی آزادی اور حکومتی مداخلت کے ایک مناسب اختلاط کا۔ یعنی اسلام دنیا کے سامنے جو اقتصادی نظام پیش کرتا ہے

اسلامی اقتصاد کا لب لباب

اُس میں ایک حد تک حکومت کی دخل اندازی بھی رکھی گئی ہے۔ اور ایک حد تک افراد کو بھی آزادی دی گئی ہے۔ ان دونوں کے مناسب اختلاط کا نام اسلامی اقتصاد ہے۔ فردی آزادی اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ افراد آخرت کا سرمایہ اپنے لئے جمع کریں اور ان کے اندر تسابق اور مقابلہ کی روح ترقی کرے۔ اور حکومت کا مداخل اس لئے رکھا گیا ہے کہ امرار کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کو اقتصادی طور پر تباہ کر دیں۔ گویا جہاں تک بنی نوع انسان کو تباہی سے محفوظ رکھنے کا سوال ہے حکومت کی دخل اندازی ضروری سمجھی گئی ہے اور جہاں تک تسابق اور آخری زندگی کیلئے زاد جمع کرنے کا سوال ہے تربیت شخصی کو قائم رکھا گیا ہے اور فردی آزادی کو کچنے کی بجائے اُس کی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔ پس اسلامی اقتصادیات میں فردی آزادی کی بھی پوری حفاظت کی گئی ہے تاکہ انسان طوعی خدمات کے ذریعہ سے پیندہ کی زندگی کے لئے سامان بہم پہنچ سکے اور تسابق کی روح ترقی پا کر ذہنی ترقی کے میدان کو ہمیشہ کیلئے وسیع کرتی چلی جائے اور حکومت کا دخل بھی

قائم رکھا گیا ہے تاکہ فرد کی کمزوری کی وجہ سے اقتصادییات کی بنیاد ظلم بے انصافی پر قائم نہ ہو جائے۔ اور
 بنی نوع انسان کے کسی حصہ کے راستہ میں روک نہ بن جائے۔

اس مضمون کے سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ اسلام خصوصاً اور دیگر مذاہب عموماً جو لوٹ بولت
 کے قائل ہیں اس مسئلہ پر خالص اقتصادی نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ مذہبی اخلاقی اور اقتصادی تین نقطہ نگاہ
 سے نظر کریں گے۔ اور ان تین اصولوں کی مشترک راہنمائی سے اس کا فیصلہ کریں گے۔ ان سے خالص
 اقتصادی نقطہ نگاہ سے نظر ڈالنے کی امید ان کے مذہب میں تداخل کے برابر ہوگی جسے وہ کبھی برداشت
 نہیں کر سکتے۔ وہ شخص جو مذہب کو نہیں مانتا وہ تو بے شک صرف اقتصادی نقطہ نگاہ سے اس مضمون کو
 دیکھ سکتا لیکن وہ شخص جو مذہب کو مانتا ہے وہ صرف یہ نہیں دیکھ سکتا کہ کس قسم کا اقتصادی نقطہ نگاہ اس کے
 سامنے پیش کیا گیا ہے بلکہ وہ یہ بھی چاہیگا کہ اس کے سامنے ایک ایسا طریق عمل آجائے جو اقتصادی قانون
 کے لحاظ سے بھی درست ہو۔ اخلاقی قانون کے لحاظ سے بھی درست ہو۔ اور مذہبی قانون کے لحاظ
 سے بھی درست ہو۔

اس تہمید کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ اوپر کے دو اصولوں کے ماتحت اسلام نے ہر فرد کو تجارت اور صنعت
 و حرفت وغیرہ میں آزادی سے کام کرنے کی اجازت دی ہے۔ مگر اس کی آزادی کو ایسی حد بندیوں میں رکھ دیا ہے
 جو اس کی جائز بلند پروازی کو روکیں بھی نہیں اور اس کی انفرادیت کو کچلیں بھی نہیں اور پھر ناجائز آزادی کے خطرات
 سے بھی اسے محفوظ کر دیں۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ اقتصادی مقابلے جو دنیا میں ہوتے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی
 خرابیوں کے پیدا ہونے اور ظلم و بیداد کا دروازہ کھلنے کی وجہ چند خواہشات نفسانی ہوتی ہیں جو نفس انسانی میں
 پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض خواہشات ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ دنیا میں تیار سے زیادہ زیادہ سے زیادہ چاہتا ہے۔
 دنیا کی حالت خواہ کتنی ہی خراب ہو۔ غریب لوگ فاقہ سے مر رہے ہوں۔ بیوائیں روٹی کے لئے تڑپ رہی ہوں۔
 یتیم کس عسری کی حالت میں پڑے ہوں وہ یہی چاہتا ہے کہ میرے پاس زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہو جائے
 اس ظلم اور تعدی کے کئی محرکات ہوتے ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کون سے
 محرکات ہیں جو اس رُوح کے پس پردہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

دولت کمانے کے محرکات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا عِبَتْ وَنَهْوٌ وَزِينَةٌ
وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي أَمْوَالٍ وَلَا وَكَلَا دِكْمَلٌ غَيْثٌ

اَعْجَبَ الْكَافِرَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ ذِكْرُ الْاَهْلِ مَصْفَرًا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ
وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (مُورِ الْحَدِيْدِ ۱۶) یاد رکھو
دنیا کی زندگی میں جو لوگ روپیہ کمانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اس کوشش اور جدوجہد کے کچھ محرکات
ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں (۱) پہلی وجہ تو نِجَب ہے ان کے دلوں میں کھیل کود کی خواہش
ہوتی ہے اور یہ کھیل کود کی خواہش ان کے لئے روپیہ کمانے کا محرک بن جاتی ہے۔ نِجَب میں جوئے بازی۔
سٹہ بازی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ سب شامل ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ میرے پاس روپیہ ہو اور میں جو کھیلوں
روپیہ ہو اور میں سٹہ بازی کروں۔ روپیہ ہو اور میں گھوڑ دوڑ میں حصہ لیا کروں۔ یہ کھیل کود کی خواہش
اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح روپیہ جمع کر کے اپنی اس خواہش کو پورا کرے
(۲) دوسری وجہ نِہْو کی بتاتا ہے۔ لوگ اگر روپیہ کمانے میں تو اسکی ایک وجہ نِہْو بھی ہوتی ہے۔ یعنی وہ
چاہتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی دولت ہو کہ انہیں کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ سارا دن سُست اور بے کار
بیٹھے رہیں یا تاش گنچہ اور شراب وغیرہ میں اپنا وقت گزار دیں۔ یہ چیز بھی ایسی ہے جو لوگوں کے لئے
میل جمع کرنے کا محرک بن جاتی ہے (۳) تیسری وجہ جلبِ زندگی خواہش کی زینت بتائی گئی ہے یعنی انسان
چاہتا ہے میرے کپڑے عمدہ ہوں لباس عمدہ ہو سواریاں عمدہ ہوں اور عمدہ عمدہ کھانے مجھے حاصل ہوں
(۴) چوتھا محرک روپیہ کمانے کا تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ کا بتایا گیا ہے یعنی لوگ اس بات کے لئے بھی روپیہ جمع
کرتے ہیں کہ دُگوں میں ان کی عزت بڑھے۔ وہ بڑے مالدار مشہور ہوں اور لوگوں سے کہہ سکیں کہ تم جانتے
نہیں ہم کتنے امیر ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ مرضِ تنابڑھا ہوا ہے کہ ہمارے ملک میں تو بعض لوگ غلامی کے
اقتدار میں بھی اپنی بڑائی سمجھتے ہیں وہ باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں آپ نہیں جانتے میں کون ہوں میں
انگریزی حکومت کا اتنا ٹیکس ادا کرنے والا ہوں۔ گویا بجائے ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہونے کے
کہ میں دوسری قوم کا ماتحت ہوں اور اسکو ٹیکس ادا کرتا ہوں وہ اسے فخریہ طور پر پیش کرتے ہیں کہ میں

اتنا ٹیکس گورنمنٹ کو ادا کرتا ہوں بلکہ میں نے تو اس سے بھی زیادہ دیکھا ہے کہ بعض ہندوستانی امیر بھی فخر کرتے کہ "میں بڑے صاحب کا اردلی ہوں"۔ پس فرماتا ہے روپیہ کمانے کا ایک محرک یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ چاہتے ہیں ہم دوسروں پر فخر کر سکیں۔ اُن پر غیب ڈال سکیں اور انہیں کہہ سکیں کہ ہم اتنے مالدار ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ ہماری باتیں مانو۔ (۵) پانچواں محرک مال زیادہ کمانے کا تکاؤ شرعی اکاموال ہوتا ہے۔ یعنی محض روپیہ جمع کرنے کی خواہش بھی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روپیہ سمیٹنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے پاس دوسروں سے زیادہ روپیہ جمع ہوتا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ہمسایہ کے پاس اگر دس لاکھ روپیہ ہے تو ہمارے پاس ایک کروڑ روپیہ ہو یا اُس کے پاس اگر ایک کروڑ روپیہ ہو تو ہمارے خزانہ میں دو کروڑ روپیہ ہو۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہی امور دولت کمانے کے محرک ہوتے ہیں جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔

اسلام میں ناجائز اغراض کیلئے
دولت کمانے کی ممانعت

ان محرکات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: - كَمْثَلِ غَيْثٍ
اَمْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ
مُحْطًا مَا هُمْ اِنْ تَامَ اَمْرُهُمْ اَوْ اُسْ بَادِلُ كِي طَسْرَحَ قَرَار دیتے ہیں جو آسمان پر
چھا جاتا ہے اور زمیندار سمجھتا ہے کہ اب اس بادل کے برسنے سے میری کھیتی ہری بھری ہو جائیگی۔ ثُمَّ يَهِيْجُ
فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا مگر جب وہ بادل برستا ہے تو ایسے رنگ میں برستا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ کھیتی ہری
بھری ہو بجائے اس کے کہ غلہ زیادہ پیدا ہو۔ بجائے اس کے کہ زمیندار کو نفع ہو وہ کھیتی سوکھ جاتی ہے
اُس کا دانہ مٹ جاتا ہے اور آخر ردی ہو کر وہ کوڑا کرکٹ بن جاتی ہے۔ مثلاً زیادہ بارش ہو جاتی ہے اور کھیتی
برباد ہو جاتی ہے۔ یا ضرورت سے کم بارش برستی ہے اور اُس صورت میں بھی کھیتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ وَفِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَخْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ اور علاوہ اس کے کہ ان امور کا نتیجہ اس دنیا
میں خراب نکلتا ہے مرنے کے بعد بھی ایسے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ان محرکات کو
دبا تے ہیں اور انکا شکار نہیں ہوتے اُن کو اللہ تعالیٰ اپنی بخشش سے ڈھانپ لیتا ہے اور اپنی رضا اور
خوشنودی سے مسرور کرتا ہے پھر فرماتا ہے وَمَا الْحَيٰوَةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْخُرُوْرِ اور اس دنیا کی

زندگی تو بالکل دھوکے کی زندگی ہے جب ہمارے پاس مغفرت اور رضوان بھی ہے در ہمارے پاس عذاب بھی ہے تو اسے انسان! تو دنیا کی لغو خواہشات کی وجہ سے ہماری مغفرت اور ہماری رضوان کو کیوں نظر انداز کر رہا ہے۔ اور کیوں اعلیٰ درجہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ذلیل اور ادنیٰ چیزوں کی طرف دڑ رہا ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم نے اُن محرکات و موجبات کو ذلیل اور حقیر اور مضرب تباہ ہے جو دنیا کمانے کی طرف انسان کو متوجہ کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ یہ سب امور جو ناجائز دنیا کمانے کا موجب ہوتے ہیں نتیجہ کے لحاظ سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ عمدہ کھیتی سوکھ کر راکھ ہو جائے یعنی جس طرح وہ کام نہیں آتی اسی طرح ایسی دولت بھی انسان کو کوئی حقیقی نفع نہیں بخشی۔ اس لئے تم ان اغراض کے ماتحت دولت مت کماؤ کہ یہ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکانے کا موجب ہیں جب اُس کے پاس فضل بھی ہے تو تم کیوں فضل کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور کیوں ان حقیر اور ذلیل خواہشات کے پیچھے چلتے ہو۔

آب ظاہر ہے کہ جو شخص اسلام پر عمل کرے وہ کبھی اوپر کے محرکات سے متاثر ہو کر دولت نہیں کما سکتا اور اگر اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کچھ کمائیگا بھی تو وہ نیک کاموں پر خرچ ہو جائیگا اور اس طرح غربت و امارت کی خلیج وسیع نہ ہوگی بلکہ پانی جائیگی۔ کیونکہ ان اغراض کے روک دینے کے بعد کوئی ایسا محرک باقی نہیں رہتا۔ جس کی وجہ سے کوئی شخص اپنے نفس کیلئے اموال کم سکے۔ کیونکہ مل کمانے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اپنی ضرورت کے مطابق (۲) اپنی ضرورت سے زیادہ لیکن اس لئے کہ اُس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا سکے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے (۳) مال اوپر کے برے محرکات کی وجہ سے کمائے یعنی کہیں تماشے کے لئے، عیاشی کے لئے، فخر اور عزت کے لئے جس مال کی وجہ سے۔ ظاہر ہے کہ آخر الذکر صورتوں میں ہی انسان ناجائز طور پر مال کمائیگا اور دوسرے انسانوں کے لئے نقصان کا موجب ہوگا۔ اول الذکر دونوں صورتوں میں یہ بات پیدا نہ ہوگی۔ جو شخص ضرورت کے مطابق کمائیگا وہ بھی دوسروں کے لئے نقصان کا موجب نہ ہوگا اور جو ضرورت سے زائد کما لے گا لیکن مال کے کمانے کا محرک صرف خیر و نیکی میں مسابقت کی روح ہوگی اُس کا مال بھی دوسرے انسانوں کے فائدہ کیلئے خرچ ہوگا اور اُس سے افراد ملک یا قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

اسلام میں دولت کے غلط استعمال کی ممانعت

آج میں اس بارہ میں اسلامی احکام ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ اسلام نے کس طرح دولت کے غلط خرچ کو روکا ہے۔

آل سچے مسلمان کی نسبت قرآن کریم فرماتا ہے عَنِ اللّٰغْوِ مُعْرِضُونَ (سورۃ المؤمنون ۷) یعنی مسلمان وہی ہیں جو لغو کاموں سے بچیں یعنی ایسے کاموں سے جن کا کوئی عقلی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔ مثال کے طور پر شرط بندی ہے تماش ہے یا اور اس قسم کی کئی کھیلیں ہیں جن سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ اسلام ہر مومن کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ اس قسم کے لغو کاموں سے بچے اور شرط بندی یا تماش یا اس قسم کی دوسری کھیلوں میں حصہ لے کر اپنے وقت کو ضائع نہ کرے یا مثلاً مجالس میں بیٹھ کر گیتیں مانگنا ہے یہ بھی لغو ہے یا مثلاً بیکار زندگی بسر کرنا ہے یہ بھی لغو، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سارا دن بے کار بیٹھے دوستوں کی مجلس میں گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ وہ اپنے اوقات کا کس بے دردی کے ساتھ خون کر رہے ہیں۔ ایک شخص کا باپ مر جاتا ہے اور وہ اپنے پیچھے بہت بڑی جائیداد چھوڑ جاتا ہے اب لڑکے کا کام یہی رہ جاتا ہے۔ کہ وہ سارا دن اپنے دوستوں کی مجلس میں بیٹھا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے در کہتا ہے نواب صاحب! آپ ایسے ہیں یا لالہ صاحب! آپ ایسے ہیں یا پنڈت صاحب! آپ ایسے ہیں یا شاہ صاحب! آپ ایسے ہیں۔ پھر دوسرا تعریف شروع کر دیتا ہے۔ وہ خاموش ہوتا ہے تو تیسرا اس کی تعریف شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح سارا دن یہی مشغل جاری رہتا ہے کہ دوست آتے ہیں گپیں ہانکتے ہیں اور اس کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں یا اُسے بدراہ پر چلانے کے لئے عورتوں یا جوئے یا شراب یا اسراف کے دوسرے طریقوں کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں اس پر وہ بھی ان کی خوب خاطر تواضع کرتا ہے اگر تھوڑی توفیق ہوئی تو پانچ لاکھ سے تواضع کر دیتا ہے اور اگر زیادہ توفیق ہوئی تو صبح شام اُنکو کھانا اپنے دسترخوان پر کھلاتا ہے مگر اس لئے نہیں کہ وہ غریب ہیں اس لئے نہیں کہ وہ بھوکے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ ہمدردی کے قابل ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس کے

پاس آکر ٹھہر جاتے ہیں اور مجلس میں خوشی کے ساتھ دن گزر جاتا ہے۔ اسلام اس قسم کے کاموں کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ وہ فرماتا ہے سلمان ہمیشہ بنو کاموں سے بچتے اور احتراز کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے اور کوئی ایسا کام انکو نہیں کرنا چاہیے جن کا کوئی عقلی فائدہ نہ ہو اور جس سے زندگی بے کار ہو جاتی ہو۔ وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی کمائی کھاتا ہو اور خود کوئی کام نہیں کرتا آخر اسے سوچنا چاہیے کہ اُس کے اس فعل کا اُسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے یا اُسکی قوم کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ چیز تو ایسی ہے جسکا اُسکی ذات کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اُسکی قوم کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور دنیا کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ زندگی کو محض بیکاری اور عیاشی میں ضائع کرتا ہے اور اسلام اس قسم کی بیکار زندگی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر ایک شخص کو اپنے باپ کے مرنے کے بعد دس کروڑ روپیہ بھی جائیداد میں ملتا ہے تو قرآن کریم کا حکم یہی ہے کہ وہ اتنی بڑی جائیداد کا مالک ہونے کے باوجود اپنے وقت کو ضائع نہ کرے بلکہ اُسے قوم اور مذہب کے فائدہ کے لئے خرچ کرے اگر اُسے اس قسم کی خدمات کی ضرورت نہیں جن کے نتیجے میں اُسے ردی میسر آئے تو وہ ایسی خدمات سرانجام دے سکتا ہے جو آنیری رنگ رکھتی ہوں۔ اس طرح وہ بغیر معاوضہ لئے اپنے ملک یا اپنی قوم یا اپنے مذہب کی خدمت کر کے اپنے وقت کو بھی ضائع ہونے سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اپنے اوقات کا بھی صحیح استعمال کر کے اپنے آپ کو نافع الناس وجود بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ تم وہ کھیلیں مت کھیلو جو وقت کو ضائع کرنے والی اور زندگی کو بیکار کھونے والی ہوں۔ اسی حکم کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ مرد زیور نہ پہنیں وہ ریشم استعمال نہ کریں۔ اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ عورتوں کے لئے زیور حرام نہیں مگر ان کے لئے بھی عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات کو ناپسند فرمایا ہے گو اس وجہ سے کہ وہ مقامِ زینت ہیں زیورات کا استعمال ان کے لئے پوری طرح منع نہیں کیا۔ مگر اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ زیورت پر اسقدر روپیہ خرچ کیا جائے کہ ملک کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچ جائے یا انہیں اسقدر زیورات بنوا کر دیئے جائیں کہ ان میں تفاخر کی رُوح پیدا ہو جائے یا اُس کے نتیجے میں لالچ اور حرص کا مادہ ان میں بڑھ جائے۔ ان کے لئے زیورات کی اجازت ہے مگر ایک حد کے اندر۔ لیکن مردوں کے لئے زیورات کا

استحباب قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ برتن جو سونے چاندی کے ہوں ان کا استعمال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں وہ اشیاء بھی آجاتی ہیں جو عام طور پر محض زینت یا تفاخر کیلئے امر واپس مکانوں میں رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنے مکان کی زینت کے لئے ایسی ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں جن کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض لوگ چینی کے پرانے برتن خرید کر اپنے مکانوں میں رکھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک بڑی قیمتی چیز خریدی ہے۔ یورپین لوگوں میں خصوصیت کے ساتھ نقص ہے کہ وہ پانچ پانچ دس دس ہزار روپیہ تک اس قسم کے برتن خرید لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہ برتن ہیں جو آج سے اتنے ہزار سال پہلے کے ہیں۔ یا پرانے قالین بڑی بڑی قیمت پر خرید کر اپنے مکانوں میں لٹکا لیتے ہیں حالانکہ دیسے ہی قالین پچاس ساٹھ روپیہ میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ لیکن محض اس لئے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ یہ قالین فلاں بادشاہ کا ہے یا فلاں زمانہ کا ہے وہ بہت کچھ روپیہ اسکے خریدنے پر برباد کر دیتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک یہ سب لغو چیزیں ہیں اور ان میں کوئی حقیقی فائدہ نہیں صرف دوست کے اظہار کے لئے لوگ ان چیزوں کو خریدتے اور اپنے روپیہ کو برباد کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو عملاً ناجائز قرار دے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ ان لغو کاموں میں اپنے وقت کو ضائع کرے اور اس قسم کی بیکار چیزوں پر اپنے روپیہ کو برباد کرے۔ اس عمل کے لحاظ سے سینما اور تھیٹر وغیرہ بھی اس حکم کے نیچے آجائیں گے۔ کیونکہ سینما اور تھیٹروں وغیرہ پر بھی ملک کی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع چلا جاتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کروڑ روپیہ سینما پر ہر سال خرچ ہوتا ہے۔ لاہور ہی میں کوئی پچیس کے قریب سینما سنا جاتا ہے۔ اور اوسط آمد ہر سینما کی ہفتہ وار دو تین ہزار بتائی جاتی ہے۔ اگر اڑھائی ہزار اوسط آمد شمار کی جائے تو ماہوار آمد دس ہزار ہوئی اور سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار۔ میں سینما بھی اگر شمار کئے جائیں تو صرف لاہور کا سالانہ سینما کا خرچ چوبیس لاکھ کا ہوا۔ اگر ہندوستان کے تمام شہروں اور نصابات کو سینما کے لحاظ سے پچاس لاہور کے برابر سمجھا جائے تو یقیناً اس سے زیادہ نسبت ہوگی تو بھی ایک ہزار سینما ماہی ہندوستان میں بن جاتا ہے۔ اور بارہ کروڑ کے قریب سالانہ خرچ سینما کا ہو جاتا ہے اور اگر سینما کے لوازمات کو بھی شامل کیا جائے کہ ایسے لوگ باعموم

شراب خوری اور ایک دوسرے کی عیاشانہ دغوتوں میں بھی روپیہ خرچ کرتے ہیں تو پچیس تیس کروڑ روپیہ سے زائد خرچ سینما اور اس کے لوازمات پر اٹھ جاتا ہے اور یہ رقم حکومت ہند کی آمد کا چھ حصہ ہے گویا صرف سینما پر اس قدر خرچ اٹھتا ہے کہ جو سارے ملک پر سال میں ہونے والے خرچ کا ایک چوتھائی ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی فائدہ نہ ملک کو ہوتا ہے نہ قوم کو ہوتا ہے اور نہ خود سینما دیکھنے والوں کو ہوتا ہے۔

قرآن کریم اس قسم کے تمام راستوں کو بند کرتا ہے اور فرماتا ہے مومن وہی ہیں جو اس قسم کے لغو کاموں سے احتراز کریں اور اپنی کمائی کا ایک پیسہ بھی ان پر ضائع نہ کریں۔ یورپ کی آزاد حکومتیں جو اپنی اقتصادی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتی رہتی ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سینما اور تھیٹر بناتی ہیں جتنے سینما گھر آج انگلستان میں ہیں جنگ کے بعد یقیناً ان میں زیادتی کی جائے گی اور کہا جائیگا کہ یہ سینما کم ہیں سینما گھروں اور سینما گھر بنائے جائیں تاکہ وہ لوگ جو سینماؤں کی کمی کی وجہ سے اس تعیش سے محروم ہیں وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔ دران کی دولت اور ان کا وقت بھی اس پر صرف ہو لیکن اسلام قطعی طور پر ان تمام چیزوں کو جو بنی نوع انسان کے لئے مفید نہیں بند کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہم ان کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر اسلام کے ان احکام پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ تو امرات کی ظاہری حالت بھی ایک حد تک مسادات کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ ناجائز کمائی کا ایک بڑا محرک ناہائز اور بے فائدہ اخراجات ہی ہوتے ہیں۔

اسلام میں اسراف کی ممانعت | دوسرے اسلام نے اسراف سے منع کیا ہے جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ گو خرچ کا محل تو جائز ہو مگر خرچ ضرورت سے زیادہ ہو۔ مثلاً

اونچی اونچی عمارات بنانا یا زینت اور تفاخر کے طور پر باغ اور چمن تیار کرنا۔ ایک باغ ایسے ہوتے ہیں جو بھپوں کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ ایسے باغ بنانا اسلام کے رو سے منع نہیں ہیں لیکن بعض باغ اس قسم کے ہوتے ہیں جن کی غرض محض نمائش یا عیاشی ہوتی ہے۔ جیسے پرانے زمانہ میں بعض بادشاہ بڑے بڑے باغ تیار کر دیا کرتے تھے جن سے ان کی غرض محض یہ ہوا کرتی تھی کہ وہاں خرچ گانا ہو۔ اور وہاں لطف اندوز ہوں۔ اس طرح محض اپنے نفس کے التذاذ کے لئے وہ اپنا روپیہ خرچ کر دیتے تھے جو اسراف

میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اس قسم کے باغ بنانے جیسے میونسپل کمیٹیاں تیار کرا یا کرتی ہیں۔ اور جن سے انکی غرض
 یہ ہوتی ہے کہ لوگ وہاں جائیں۔ سیر کریں اور صحت میں ترقی کریں اسلام کے روئے منع نہیں ہیں اسلام
 کے نزدیک اگر ایک میونسپل کمیٹی دس لاکھ روپیہ بھی اس قسم کے باغ تیار کرنے پر صرف کر دے۔
 جس سے چار یا پنج لاکھ آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہوں تو وہ بالکل جائز کام کرے گی۔ مثلاً لاہور کی آبادی
 ۹ لاکھ ہے۔ اگر لاہور کی میونسپل کمیٹی متعدد پارک بنانے پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دے تو چونکہ نو لاکھ کی
 آبادی یا اس آبادی کی اکثریت اس سے فائدہ اٹھائے گی اسلئے روپیہ کا یہ مصرت بالکل جائز سمجھا جائے گا۔
 بلکہ اگر ایک لاکھ آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھائے گے تو یہ سمجھا جائیگا کہ میونسپل کمیٹی نے ایک آدمی کی
 صحت کے لئے چار یا پنج روپے صرف کئے۔ اور یہ بالکل جائز ہوگا۔ لیکن اگر ایک بادشاہ اپنے لئے یا
 اپنے بیوی بچوں کیلئے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ایک باغ تیار کراتا ہے۔ اور اس میں دوسروں کو جانے کی
 اجازت نہیں ہوتی تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ اس نے ایک ایک نفس پر لاکھ لاکھ یا دو دو لاکھ روپیہ
 خرچ کر دیا۔ حالانکہ اگر وہی ایک لاکھ یا دو لاکھ یا تین لاکھ یا چار لاکھ روپیہ عام لوگوں کے لئے خرچ کیا جاتا
 تو لاکھوں لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی صحت پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر جاتی۔ پس اسلام
 جائز ضروریات پر روپیہ صرف کرنے سے نہیں روکتا بلکہ اس امر سے روکتا ہے کہ روپیہ کو صحیح طور پر استعمال
 نہ کیا جائے۔ اور بنی نوع انسان کے حقوق کو تلف کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا جاوے۔ اگر ایک دختر بنانے
 کا سوال ہو اور ہزاروں لوگوں کے لئے مردوں کی ضرورت ہو تو خواہ میں منزلہ مکان بنالیا جائے۔ اور
 اس میں سینکڑوں کمرے ہوں اسلام کے روئے بالکل جائز ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو بلا وجہ اپنی ضرورت
 سے زائد کمرے بنوا لیتے ہیں۔ محض اس لئے کہ لوگ ان کو دیکھیں اور تعریف کریں قرآن کریم کے روئے
 وہ ایک ناجائز فعل کا ارتقاب کرتے ہیں۔ اور اسلام اسے اسراف قرار دیتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
 ایسے شخص کو پکڑے گا اور اس سے جواب طلب کرے گا کہ اُس نے کیوں وہ روپیہ جو بنی نوع انسان
 کی خدمت یا ان کی ترقی کے سامانوں پر صرف ہو سکتا تھا اس رنگ میں ضائع کیا اور ملک اور قوم کی
 اقتصادی حالت کو نقصان پہنچایا۔

درد کیوں جائیں تاج محل ہمارے گھر کی مثال ہے۔ مجھے خود وہ بہت پسند ہے اور میں اسے دیکھنے بھی جایا کرتا ہوں۔ لیکن اسلامی اقتصاد کے لحاظ سے تاج محل کی تعمیر پر ناجائز طور پر روپیہ صرف کیا گیا ہے تاج محل آخر کیا ہے ایک بہت بڑی شاندار عمارت ہے جو محض ایک عورت کی قبر پر زینت کے لئے بنائی گئی اور امپیر کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا۔ اگر وہی روپیہ صدقہ و خیرات پر صرف کیا جاتا۔ یا غرباء کے لئے کوئی ایسا ادارہ قائم کر دیا جاتا جس سے لاکھوں مساکین، لاکھوں یتیم، اور لاکھوں بے کس ایک مدت دراز تک فائدہ اٹھاتے چلے جاتے اور وہ اپنے کھانے اور اپنے پینے اور اپنے پہننے اور اپنے رہنے کے تمام سامانوں کو حاصل کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ بیشک جہاں تک عمارت کا سوال ہے۔ جہاں تک انجینئرنگ کا سوال ہے۔ تاج محل کی ہم تعریف کرتے ہیں اور اسے دیکھنے کے لئے بھی جاتے ہیں لیکن جہاں تک حقیقت کا سوال ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قسم کی عمارتیں جو بعض افراد محض اپنے نام و نمود کیلئے یا نمائش کے لئے دنیا میں تیار کرتے ہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے ناجائز ہیں لیکن وہ عمارتیں جو قوم کے لئے یا ملک کے مفاد کیلئے یا ایسی ہی اور ضروریات کیلئے تیار کی جاتی ہیں وہ خواہ کتنی ہی بلند ہوں جائز کہلانگی۔ غرض بلا ضرورت اونچی عمارات بنانا زینت اور تفاخر کے طور پر باغات تیار کروانا، کھانا زیادہ مقدار میں کھانا یا بہت سے کھانے کھانا، لباس وغیرہ پر غیر ضروری رقوم خرچ کرنا، گھوڑے اور موٹریں ضرورت کے زیادہ رکھنا، فرنیچر وغیرہ ضرورت کے زیادہ بنوانا، عورتوں کا لباس اور فیتوں وغیرہ پر زیادہ رقوم خرچ کرنا۔ ان سب امور سے قرآن کریم اور احادیث میں منع کیا گیا ہے اور اس طرح مال کمانے کی ضرورتوں کو محدود کر دیا گیا ہے۔

سیاسی اقتدار کیلئے روپیہ خرچ کرنا | اسی طرح مال اور دولت کی وجہ سے کسی کو سیاسی اقتدار دینے سے بھی اسلام نے منع فرما دیا ہے جس میں اس بارہ میں بیان کر چکا ہوں کہ

قرآن کریم کا یہ صریح حکم ہے کہ **اِنَّ تَوَدُّوْا اَلْحَيٰثٰنَ اِلٰی اٰھِلِہَا دَسُوْا فِیْہِمْ** (کہ تم حکومتیں انہی لوگوں کے سپرد کیا کرو جو حکومت کے کام کے اہل ہوں) بعض کسی کے مال یا اس کی دولت کی وجہ سے اس کو سیاسی اقتدار دیدینا اسلامی تعلیم کے ماتحت جائز نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مال اور دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ طہیت اور تقویٰ کی بنیاد پر لوگوں کے سپرد حکومتی کام کیا کرو پس جو لوگ مال و دولت اس لئے جمع کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے

ہیں حکومت میں حصہ مل جائیگا۔ یا بڑے بڑے عہدے ہیں حاصل ہو جائیں گے۔ اسلام اُن کے اس فعل کو بھی ناجائز قرار دیتا ہے اور امت مسلمہ کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ حکام کے انتخاب کے وقت اہلیت کو مد نظر رکھائیں یہ نہیں ہونا چاہیے کہ دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو سیاسی اقتدار سونپ دیا جائے۔

روپیہ جمع کرنے کی حرص

پھر بعض لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہت سارے روپیہ اپنے پاس جمع کر لیتے ہیں۔ اسلام نے اپنے متبعین کو روپیہ جمع کرنے سے بھی روک

دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ مَا يَجْزَاؤُا بَالِغٌ يَوْمَ يُخْرَجُ عَلَيْهِمُ النَّارُ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ** (سورۃ التوبہ ۳۴) فرماتا ہے۔ وہ لوگ جو سونا اور

چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اُس کو خرچ نہیں کرتے ہم اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیتے ہیں۔ جب سونا اور چاندی جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا اور انہیں گلا کر اُن کے ماتھوں اور اُن کے پہلوؤں اور اُن کی پیٹھوں پر داغ دیا جائے گا۔ اور کہا جائیگا کہ یہ وہ خزانے ہیں جو تم نے اپنے لئے اور اپنے خاندان کی ترقی کے لئے روک رکھے تھے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو تم نے محروم کر دیا تھا۔

خُذُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ پس چونکہ لوگوں نے اس سونے اور چاندی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ تم نے اُسے صرف اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اس لئے آج ہم یہ سونا اور چاندی تمہاری طرف ہی لوٹاتے ہیں۔ مگر اُس جہان میں چونکہ سونا اور چاندی کسی کام نہیں آسکتے اس لئے ہم اس رنگ میں یہ سونا اور چاندی تمہیں دیتے ہیں کہ ان کو گھلا گھلا کر تمہارے ماتھوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ دیں گے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ سونے اور چاندی کو روک رکھنا اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اُسے صرف نہ کرنا کتنا بڑا گناہ تھا۔ گو یہ مثال جو میں نے دی ہے اس میں روپیہ کے غلط خرچ کا ذکر نہیں بلکہ روپیہ جمع کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بھی غلط خرچ کے مشابہ ہے کیونکہ غلط خرچ کا نقصان بھی یہی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ اس فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جاتے ہیں اور روپیہ کو جمع کر رکھنے اور کام پر نہ لگانے سے بھی اس قسم کا نقصان ہوتا ہے۔ پس نتیجہ کے لحاظ سے یہ روپیہ کا جمع کرنا دراصل نامناسب مواقع پر خرچ کرنا ایک سہا ہے۔

غرض جتنے محرکات دولت کے حد سے زیادہ کمانے یا اس کو اپنے پاس جمع رکھنے کے دنیا میں پائے جاتے ہیں اسلام نے ان سب کو رو کر دیا ہے اور حقیقت بعض محرکات و موجبات ہی دولت کے زیادہ کمانے یا ایسے لوگوں کے لئے خرچ نہ کرنے کے ہوا کرتے ہیں جب ان تمام محرکات کو ناجائز قرار دے دیا جائے تو کوئی شخص اتنی دولت جمع نہیں کر سکتا جو بنی نوع انسان کی ترقی میں رک بن جائے۔ مثلاً لوگ گھوڑ دوڑ کے لئے اعلیٰ درجہ کے قیمتی گھوڑے رکھتے ہیں۔ اور ان پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں یا جوئے بازی پر ہزاروں روپیہ برباد کر دیتے ہیں لیکن اس تعلیم کے ماتحت جو اسلام نے بیان کی ہے ایک مسلمان ریس (Race) کے لئے گھوڑے نہیں رکھ سکتا۔ وہ سواری کے لئے تو گھوڑا رکھیں گا مگر وہ یہ نہیں کر سکتا کہ ریس (Race) میں حصہ لینے کے لئے لاکھوں روپیہ گھوڑوں کی خرید پر خرچ کرنا چلا جائے۔ جب اس قسم کے تمام محرکات جلتے رہیں گے تو یہ لازمی بات ہے کہ روپیہ کے زیادہ کمانے کی خواہش اس کے دل میں باقی نہ رہے گی۔ روپیہ کی زیادہ خواہش اسی لئے پیدا ہوتی ہے کہ انسان کہتا ہے فلاں کے پاس ایک لاکھ روپیہ جمع ہے میرے پاس بھی اتنا روپیہ جمع ہونا چاہیئے یا فلاں نے ریس کے لئے بڑے اچھے گھوڑے رکھے ہوئے ہیں میں بھی اعلیٰ درجہ کے گھوڑے خرید کر رکھوں یا محض مال کی محبت ہو اور انسان روپیہ کو محض روپیہ کیلئے جمع کرے مگر جب اس قسم کی تمام خواہشات سے اسلام نے منع کر دیا تو وہ نادا جب حد تک روپیہ کمانے کی فکر ہی نہیں کریگا۔

مکرو طبائع کا علاج | مگر اس تعلیم کے باوجود پھر بھی مکرو طبائع ناجائز حد تک روپیہ کما سکتی تھیں اور صرف و غلط اس غرض کو پورا نہیں کر سکتا تھا آخر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ صرف ایک وعظ ہے جس سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن دنیا میں ایسے مکرو طبائع لوگ پائے جاتے ہیں جو وعظ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ پس چونکہ دنیا میں ایک عنصر ایسے مکرو لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے اس وعظ سے پورا فائدہ نہیں اٹھانا تھا۔ اس لئے شریعت اسلامی نے بعض ایسے آئین تجویز کر دیے ہیں۔ جن پر عمل کرنا حکومت کے ذمہ ہے اور جن سے دولت ناجائز حد تک کمائی نہیں جاسکتی۔ وہ آئین جو اسلام نے مقرر کئے ہیں یہ ہیں۔

اسلام میں ناجائز طور پر روپیہ کے حصول کا سبب

سود کی مناعی | آئل اسلام نے سود پر روپیہ لینے اور دینے سے منع کر دیا ہے اور اس طرح تجارت کو محدود کر دیا۔ تعجب کی بات ہے کہ عام طور پر ہمارا تعلیمیافتہ طبقہ ایک طرف تو کمیونزم کے اصول کا دلدادہ ہے دوسری طرف سود کی بھی تائید کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا موجب یہی سود ہے۔ سود کے ذریعہ ایک ہوشیار اور عقلمند تاجر کروڑوں روپیہ لیتا ہے اور پھر اس روپیہ کے ذریعہ دنیا کی تجارت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانے قائم کر لیتا ہے اور ہزاروں ہزار لوگوں کو ہمیشہ کی غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کے مالداروں کی فرست بنائی جائے تو اکثر مالدار وہی نکلیں گے جنہوں نے سود کے ذریعہ ترقی کی ہوگی۔ پہلے وہ دو چار ہزار روپیہ کے سرمایہ سے کام شروع کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ اتنی ساکھ پیدا کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے بنکوں سے لاکھوں روپیہ قرض یا اوور ڈرافٹ (OVER DRAFT) کے طور پر نکالوا لیتے ہیں اور چند سالوں میں ہی لاکھوں سے کروڑوں روپیہ پیدا کر لیتے ہیں یا ایک شخص جمہولی سرمایہ اپنے پاس رکھتا ہے مگر اس کا دماغ اچھا ہوتا ہے وہ کسی بنک کے سکریٹری سے دوستی پیدا کر کے اُس سے ضرورت کے مطابق لاکھ دو لاکھ یا چار لاکھ روپیہ لیتا ہے اور چند سالوں میں ہی اُس سے کئی گنا نفع کما کر وہ کروڑ پتی بن جاتا ہے غرض جس قدر بڑے بڑے مالدار دنیا میں پائے جاتے ہیں ان کے حالات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں اپنی خاص کمائی سے بڑھنے والا شاید سو فی صد سے کوئی ایک ہی ہوگا باقی ننانوے فی صدی ایسے ہی مالدار نظر آئیں گے جنہوں نے سود پر بنکوں سے روپیہ لیا اور محوڑے عرصہ میں ہی اپنے اگلے دماغ کی وجہ سے کروڑ پتی بن گئے۔ اور لوگوں پر اپنا رعب قائم کر لیا۔ پس سود دنیا کی اقتصادی تباہی کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور غرباء کی ترقی کے راستہ میں ایک بہت بڑی رک ہے جس کو دور کرنا بنی نوع انسان کا فرض ہے۔ اگر ان لوگوں کو سود کے ذریعہ بنکوں میں سے آسانی کے ساتھ روپیہ نہ ملتا تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوتی۔ یا تو وہ

دوسرے لوگوں کو اپنی تجارت میں شامل کرنے پر مجبور ہوتے اور یا پھر اپنی تجارت کو اس قدر بڑھا دیتے کہ اپنے دالوں کے لئے روک بن جاتے اور ٹریڈ وغیرہ قائم کر کے لوگوں کے لئے ترقی کا راستہ بالکل بند کر دیتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مال ملک میں مناسب تناسب کے ساتھ تقسیم ہوتا اور خاص خاص لوگوں کے پاس حد سے زیادہ روپیہ جمع نہ ہوتا جو اقتصادی ترقی کے لئے سخت مہلک اور ضرر رساں چیز ہے۔ مگر انہوں نے یہ کہ لوگ سود کے ان نقصانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جس طرح مگر ہی اپنے اندر گرد جالاتی چلی جاتی ہے اسی طرح وہ سود کے جال میں پھنسنے چلے جاتے ہیں اور اس بات پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ ان کے اس طریق کا ملک اور قوم کے لئے کیسا خطرناک نتیجہ نکلے گا۔ اور اس الزام سے کیونکر مبرا ہو سکتا ہے کہ حامی بھی بڑی نہیں۔ وہ بھی اس بڑے کو جو سرمایہ داری کا درخت پیدا کرتی ہے نہ صرف یہ کہ کاٹتے نہیں بلکہ وہ اسے بڑا بھی نہیں کہتے۔ ہزاروں لاکھوں کمیونسٹ دنیا میں ہیں گے جو سودیہ ہیں اور اس طرح بالواسطہ سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کرنے میں مدد کر رہے ہیں۔

سود کی وسیع تعریف | اسلام نے سود کی ایسی تعریف کی ہے جس سے بعض ایسی چیزیں بھی جو عرف عام میں سود نہیں سمجھی جاتیں سود کے دائرہ عمل میں آجاتی ہیں اور وہ بھی بنی نوع انسان

کیلئے ناجائز ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے سود کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ کام جس پر نفع یقینی ہو۔ اب اس تعریف کے ماتحت جتنے ٹریڈ ہیں وہ سب ناجائز سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ ٹریڈ کی غرض یہی ہوتی ہے کہ مقابلہ بند ہو جائے اور جتنا نفع تاجر کما نا چاہیں اتنا نفع اُن کو بغیر کسی روک کے حاصل ہو جائے۔ مثلاً ایک ملک کے پندرہ بیس بڑے بڑے تاجر اکٹھے ہو کر اگر ایک مقررہ قیمت کا فیصلہ کر لیں اور ایک دوسرے کا تجارتی مقابلہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک چیز جو دو روپے کو تجارتی اصول پر بکھنی چاہیے اُس کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسے پانچ روپے میں فروخت کریں گے۔ اور چونکہ سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہوگا۔ اس لئے لوگ مجبور ہوں گے کہ پانچ روپے میں ہی وہ چیز خریدیں۔ کیونکہ اس سے کم قیمت میں اُن کو وہ چیز کسی اور جگہ سے مل ہی نہیں سکے گی۔ وہ ایک کے پاس جائیں گے تو وہ پانچ روپے قیمت بتائیں گے۔ دوسرے کے پاس جائیں گے تو وہ بھی پانچ روپے ہی قیمت بتاتا ہے۔ تیسرے کے پاس

جائینگے تو وہ بھی پانچ روپیہ ہی قیمت بتاتا ہے غرض جس کے پاس جائیں گے وہ پانچ روپیہ ہی قیمت بتائیگا اور آخر وہ مجبور ہو جائیگا کہ وہی قیمت ادا کر کے چیز خریدے۔ چھوٹے تاجروں کو اول تو یہ جرات ہی نہیں ہوتی کہ اُن کا مقابلہ کریں اور اگر اُن میں سے کوئی شخص وہی چیز سستے داموں پر فروخت کرنے لگے۔ مثلاً وہ اُس کی دو روپے قیمت رکھ دے تو وہ بڑے تاجر جنہوں نے آپس میں اتحاد کیا ہوا ہوتا ہے اس کا سارا مال اس گری ہوئی قیمت پر خرید لیتے اور اس طرح اس کا چند دن میں ہی دیوالہ نکال دیتے ہیں۔ پس یہ ٹرسٹ سسٹم ایک نہایت ہی خطرناک چیز ہے اور دنیا کی اقتصادی حالت کو بالکل تباہ کر دیتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ جماعت احمدیہ کی تجارتی سکیموں کے سلسلہ میں تحریک ہوئی کہ میں لاکھ کی تجارت کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ لاکھ کی تجارت صرف چند لاکھ روپے کی تجارت ہے اور لاکھ صرف ہندوستان کے چند علاقوں میں تیار ہوتی ہے۔ ریاست پٹیالہ میں بھی تیار کی جاتی ہے۔ مجھے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ایک یورپین فرم اُس کی تجارت پر قبضہ ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو مجھے بتایا گیا کہ اور تاجروں کی حیثیت تو پندرہ سولہ لاکھ کی ہوتی ہے۔ مگر اس یورپین فرم کا سرمایہ تیس چالیس کروڑ روپیہ کا ہے۔ پھر اُن کے پاس صرف یہی تجارت نہیں بلکہ گندم کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے کپڑے کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے جیوٹ کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے اسی طرح اور کئی قسم کی تجارتیں اُن کے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں جب کوئی تاجر چند لاکھ روپیہ صرف کر کے لاکھ کی تجارت شروع کرتا ہے تو وہ یورپین فرم لاکھ کی قیمت اتنی کم کر دیتی ہے کہ جس نے نئی نئی تجارت شروع کی ہوتی ہے اُن کے مقابلہ میں ایک دن بھی نہیں ٹھہر سکتا اور نقصان اٹھا کر کھانسیوں مٹا ہوا گھرواپس آجاتا ہے۔ فرض کر دو ایک شخص کا اس تجارت پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اُسے توقع تھی کہ مجھے نفع حاصل ہوگا پس اُس نے یورپین فرم کے مقابلہ کیسے قیمت گرا کر رکھی۔ مگر اُس کو میدان مقابلہ میں دیکھتے ہی وہ یورپین فرم لاکھ کی قیمت اس قدر گرا دیگی کہ اُس تاجر کو اُس الحال بچا بھی مشکل ہو جائیگا اور آخر وہ مجبور ہو کر لاگت سے کم داموں پر اسی یورپین فرم کو اپنا لاکھ کا ساک دینے پر مجبور ہو جائیگا۔ اُس یورپین فرم کو قیمت گرانے سے نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ اپنے حریف کو شکست دے کر وہ پھر قیمت بڑھا دیگی۔ اس رنگ میں وہ یورپین فرم لاکھ کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور کوئی اُس کا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں کرتا۔

غرض جس قدر ٹرسٹ ہیں وہ بنی نوع انسان کو تباہ کرنے والے ہیں۔ اور چونکہ ٹرسٹ سسٹم میں نفع یقینی ہوتا ہے اس لئے اسلام کے مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق ٹرسٹ سسٹم اسلام کے رو سے ناجائز قرار دیا جائے گا۔

یہی حال کارٹل سسٹم کا ہے۔ کارٹل سسٹم بھی ایک ایسی چیز ہے جو اسلامی نقطہ نگاہ سے بالکل ناجائز ہے۔ ٹرسٹ سسٹم میں جہاں ایک ملک کے تاجر آپس میں سمجھوتہ کر کے تجارت کرتے ہیں وہاں کارٹل سسٹم میں مختلف ممالک کے تاجر آپس میں اتحاد پیدا کر لیتے ہیں اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں چیز فلاں قیمت پر فروخت کرنی ہے اس سے کم میں نہیں۔ ٹرسٹ سسٹم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی امر کے متعلق سمجھوتہ کریں اور کارٹل سسٹم یہ ہے کہ مثلاً امریکہ اور انگلستان کے تاجر یا امریکہ انگلستان اور جرمنی کے تاجر یا انگلستان اور ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی تجارت کے متعلق سمجھوتہ کریں۔ فرض کرو کیمیکلز (Chemicals) یعنی کیمیادی ساخت کی اشیاء کے متعلق وہ کوئی سمجھوتہ کریں۔ مثلاً اس زمانہ میں امریکہ انگلستان اور جرمنی یہ تین ممالک ہی کیمیکلز بنانے والے ہیں ان تینوں ممالک کے تاجر سمجھوتہ کریں کہ ہم ایک دوسرے کا مقابلہ نہیں کریں گے بلکہ ایک ہی قیمت پر اپنی دواؤں کو فروخت کریں گے تو اس کے نتیجہ میں دنیا مجبور ہوگی کہ ان سے اسی قیمت پر دوائیں خریدے اور جتنا نفع وہ مانگتے ہیں وہ ان کو دے یہ کارٹل سسٹم اتنا خطرناک ہے کہ اس سے حکومتیں بھی تنگ آگئی ہیں۔ اور ابھی گزشتہ دنوں اس جرم میں اس کی طرف سے کئی تاجروں پر مقدمات چل چکے ہیں اور انہیں سزائیں بھی دی گئی ہیں۔ مگر چونکہ یقینی نفع کی تمام صورتوں کو اسلام نے ناجائز قرار دے دیا ہے۔ تاکہ دنیا کی دولت پر کوئی ایک طبقہ قابض نہ ہو جائے بلکہ تمام مال لوگوں میں چکر کھاتا رہے۔ اور غریب بھی اس سے اپنی اقتصادی حالت کو درست کر سکیں۔ اسلامی حکومتوں میں یہ طریق چل نہیں سکتے۔

سامان کو روک رکھنا منع ہے | یہی طرح اسلام نے ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ تم جو مال بھی تیار کرو۔ یا دوسروں سے خریدو اسے روک کر نہ رکھ لیا کرو۔ کہ جب مال مہنگا ہوگا

اور قیمت زیادہ ہوگی اس وقت ہم اس مال کو فروخت کریں گے۔ اگر ایک تاجر مال کو قیمت بڑھنے کے خیال سے روک لیتا ہے اور اسے لوگوں کے پاس فروخت نہیں کرتا تو اسلامی نقطہ نگاہ کے ماتحت وہ ایک

ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر ایک تاجر کے پاس گندم ہے۔ اور لوگ اپنی ضروریات کے لئے اس سے گندم خریدنا چاہتے ہیں اور وہ اس خیال سے کہ جب گندم مہنگی ہوگی اسوقت میں اسے فروخت کروں گا۔ اس گندم کو روک لیتا ہے اور خریداروں کو دینے سے انکار کر دیتا ہے تو اسلام کی تعلیم کے رو سے وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ چیزوں پر کنٹرول اس زمانہ میں ہی کیا گیا ہے۔ حالانکہ کنٹرول اسلام میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ انگریزوں نے تو آج اس کو اختیار کیا لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ حکم دیدیا تھا کہ احتکار منع ہے اور احتکار کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ کسی چیز کو اس لئے روک لیا جائے کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائیگی تب اسے فروخت کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ احتکار کر رہا ہے اور اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ اسے مجبور کرے گی کہ وہ اپنا مال فروخت کر دے اور اگر وہ خود فروخت کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو گورنمنٹ اس کے سٹور پر قبضہ کر کے مناسب قیمت پر اسے فروخت کر دے گی۔ بہر حال کوئی شخص اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ مال کو روک رکھے اس خیال سے کہ جب مہنگا ہوگا تب میں اسے فروخت کروں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احتکار کے معنی غلہ کو روکنے کے ہیں۔ لیکن فقہ کے ماتحت جو اسلام کا ایک جزو ضروری ہے اس حکم کو عام کیا جائیگا۔ اور کسی شے کو جو عوام کے کام آنے والی ہے اس لئے روک رکھنا کہ قیمت بڑھ جائیگی تو فروخت کریں۔ اسلامی تعلیم کے رو سے ناجائز قرار دیا جائے گا)

اسلام میں مال کی قیمت گرانے کی ممانعت

اس کے علاوہ اسلام نے قیمت کو ناجائز حد تک گرانے سے بھی منع کیا ہے اور جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے قیمت کا گرنا بھی ناجائز مال کمانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ طاقتور تاجر اس ذریعہ سے کمزور تاجروں کو تھوڑی قیمت پر مال فروخت کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور ان کا دیوالہ نکلوانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ آپ بازار کا دورہ کر رہے تھے کہ ایک باہر سے آئے ہوئے شخص کو دیکھا کہ وہ خشک انگور نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر رہا تھا جس قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت نہیں کر سکتے تھے آپ نے اسے حکم دیا کہ یا تو اپنا مال منڈی سے اٹھا کر لے جائے یا پھر اسی قیمت پر فروخت کرے

جس مناسب قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت کر رہے تھے۔ جب آپ سے اس حکم کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اس طرح فروخت کرنے کی اسے اجازت دی گئی تو مدینہ کے تاجروں کو جو مناسب قیمت پر مال فروخت کر رہے ہیں نقصان پہنچے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کے خلاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش کیا کہ منڈی کے بھاؤ میں دخل نہیں دینا چاہیے مگر ان کا یہ اعتراض درست نہ تھا کیونکہ منڈی کے بھاؤ میں دخل دینے کے یہ معنی ہیں کہ پیداوار اور مانگ (supply and demand) کے اصول میں دخل دیا جائے۔ اور ایسا کرنا بے شک نقصان دہ ہے اور اس سے حکومت کو بچنا چاہیے۔ ورنہ عوام کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور تاجر تباہ ہو جائیں گے۔ ہم نے قریب زمانہ میں ہی اس کا تجربہ کیا ہے۔ جب حکومت نے جنگ کی وجہ سے گندم کی فروخت کی ایک ہی قیمت مقرر کر دی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی تجارت بالکل رک گئی کیونکہ کوئی عقلمند یہ امید نہیں کر سکتا کہ تاجر اسی قیمت پر خرید کر اسی قیمت پر فروخت کر سکیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گندم کی باقاعدہ تجارت بالکل بند ہو گئی۔ اور مقررہ قیمت چھ روپے کی جگہ سولہ روپیہ فی من تک گندم کی قیمت پہنچ گئی۔ لوگ گورنمنٹ کو خوش کرنے کے لئے اپنے بیوی بچوں کو فاقوں سے نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر قیمت پر گندم خریدتے تھے۔ اور چونکہ گندم پر زندگی کا انحصار ہے وہ ان تاجروں کی رپورٹ کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھے جو بلیک مارکیٹ رئیس پر ان کو گندم دیتے تھے۔ میں نے اس کے خلاف کئی ماہ پہلے گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی کہ ان کے اس قانون کا خطرناک نتیجہ نکلے گا مگر حکومت نے اس پر کان نہ دھرایا اور آخر سخت ہنگامہ اور شور کے بعد معقول طریق اختیار کیا۔ پہلے قانون کی وجہ زمینداروں کی خدمت بتائی گئی تھی مگر نتیجہ الٹ نکلا۔ زمیندار لٹ گئے اور تاجر کئی گنے زیادہ قیمت حاصل کر گئے۔

غرض ناواقفانہ طور پر منڈی کے بھاؤ میں دخل دینے اور پیداوار اور مانگ کے اصول کو نظر انداز کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ ورنہ ناواقف بھاؤ میں خواہ وہ قیمت کی زیادتی کے متعلق ہو خواہ قیمت کی کمی کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا

چنانچہ احتکار سے روکنا جو احادیث سے ثابت ہے اس امر کا یقینی ثبوت ہے۔ کیونکہ احتکار سے روکنے کی غرض یہی ہے کہ ناجائز طور پر بھاؤ کو بڑھایا نہ جائے اور یہ متاعی یقیناً منڈی کے بھاؤ میں دخل دینا ہے مگر جائز دخل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منڈی کے بھاؤ میں دخل اندازی سے منع کیا تھا تو ناجائز دخل اندازی سے منع کیا تھا۔ اصول اقتصادیات کے ماتحت دخل اندازی سے منع نہیں فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ کا فعل عین مطابق شریعت اور اسلام کے ایک زبردست اصول کا ظاہر کرنے والا تھا۔

خلاصہ یہ کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ لوگ ناجائز طور پر دولت اپنے قبضہ میں کر لیا کرتے ہیں اس لئے اسلام نے ان تینوں چیزوں سے روک دیا ہے اور اس طرح ناجائز اور حد سے زیادہ دولت کے اجتماع کے راستہ کو بند کر دیا ہے۔

مگر چونکہ پھر بھی بعض لوگ ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے ناجائز حد تک روپیہ کما سکتے تھے اور ہو سکتا تھا کہ ان تمام ہدایات اور قیود اور پابندیوں کے باوجود بعض لوگوں کے پاس حد سے

حد سے زائد روپیہ کے جمع ہونے کے راستہ میں مزید روکیں

زیادہ روپیہ جمع ہو جائے اور غریب کو نقصان پہنچ جائے اس لئے اسلام نے اس کا علاج مندرجہ ذیل ذرائع سے کیا :-

زکوٰۃ | ادل زکوٰۃ کا حکم دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مستحق جائیداد کسی انسان کے پاس ہونے چاندی کے سیکوں یا اموال تجارت وغیرہ کی قسم میں سے ہو اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو۔ حکومت اس سے اندازاً اڑھائی فیصدی سالانہ ٹیکس لے لیا کرے گی جو ملک کے غریب اور مساکین کی یہودی پر خرچ کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص کے پاس چالیس روپے جمع ہوں اور ان چالیس روپوں پر ایک سال گزر جائے تو اس کے بعد لازماً اسے اپنے جمع کردہ مال میں سے ایک روپیہ حکومت کو بطور زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ انکم ٹیکس نہیں جو آمد پر ادا کیا جاتا ہو۔ بلکہ زکوٰۃ جمع کئے ہوئے مال پر ٹیکس ہے جو غریب کی یہودی کے لئے لیا جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ ہر قسم کے مال پر واجب ہوتی ہے خواہ سب سے ہوں۔

یا جانور ہوں یا غلہ ہو یا زیور ہو یا کوئی دوسرا تجارتی مال ہو صرف سونے چاندی کے وہ زیور جو عام طور پر عورتوں کے استعمال میں رہتے ہوں اور غرباء کو بھی کبھی کبھی عاریتہ دیئے جاتے ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ زیورات خود تو عام طور پر استعمال کئے جاتے ہوں مگر غرباء کو عاریتہ نہ دیئے جاتے ہوں تو اس صورت میں ان کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی فقہائے اسلام زیادہ مناسب قرار دیتے ہیں اور جو زیور عام طور پر استعمال میں نہ آتے ہوں ان پر زکوٰۃ ادا کرنا تو نہایت ضروری ہے اور اسلام میں اس کا سختی سے حکم پایا جاتا ہے۔ یہ زکوٰۃ جب تک کسی کے پاس مال بقدر نصاب باقی ہو ہر سال ادا کرنی ضروری ہوتی ہے اور نہ صرف سرمایہ بلکہ سرمایہ اور نفع دونوں کے مجموعہ پر ادا کرنی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ادھر پر بیان کردہ تمام قیود اور پابندیوں کے باوجود کچھ روپیہ پس انداز کرے تو اسلامی حکومت اس ذریعہ سے ہر سال اس سے ٹیکس وصول کرتی چلی جائیگی۔ کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ امراء کی دولت میں غرباء کے حقوق اور ان کی محنت بھی شامل ہے۔ اس لئے ایک ایسا قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے جس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے ذریعہ سے غرباء کا حق امرائے سے لے لیا جائیگا۔

خمس | دوسری وجہ جس سے بعض لوگوں کے ہاتھ میں صد سے زیادہ مال جمع ہو جاتا ہے کانوں کی دریافت اسلام نے اس نقص کا علاج یہ کیا کہ اس نے کانوں میں حکومت کا خمس حق مقرر کر دیا ہے۔ یہ پانچواں حصہ تو اس مال میں سے ہے جو کان سے نکالا جاتا ہے خواہ اس پر سال چھوڑ ایک ماہ بھی نہ گزرا ہو اس کے علاوہ کانوں کے مالک جو اپنے حصہ کے نفع میں سے پس انداز کریں اور اس پر ایک سال گزر جائے اس پر زکوٰۃ الگ لگی اور سال بسال لگتی چلی جائیگی۔ گویا اس طرح حکومت کانوں میں بھی حصہ دار ہو جاتی ہے اور کانوں کے مالک جو روپیہ اپنے حصہ میں سے بچاتے ہیں ان سے بھی ہر سال غرباء کی ترقی کے لئے ایک مقررہ ٹیکس وصول کیا جائیگا۔ جب بھی کسی کے جمع کردہ مال پر ایک سال گزر جائیگا حکومت کے اُراد اس کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ لاؤ جی غرباء کا حق ہمیں دے دو۔

طوعی صدقہ | طوعی صدقہ رکھتا ہے۔ پانچواں اسلام کا حکم ہے کہ ہر شخص کو صدقہ و خیرات طوعی پر یقینوں غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری اور ان کی پندرش کیسے کچھ نہ کچھ

مال ہمیشہ خرچ کرتے رہنا چاہیے۔ یہ حکم بھی ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی شخص کے پاس حد سے زیادہ دولت جمع نہیں رہ سکتی۔

درشہ کی تقسیم

اگر ان تمام طریقوں سے کام لینے کے باوجود پھر بھی کسی انسان کے پاس کچھ مال بچ جائے اور وہ اپنی جائیداد بنائے تو اس کے مرنے کے متا بعد شریعت اس کی تمام جائیداد کو اس کے خاندان میں تقسیم کر دیگی۔ چنانچہ درشہ کا حکم شریعت میں اسی غرض کے ماتحت رکھا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی جائیداد کسی ایک شخص کو نہ دے جائے بلکہ وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے۔ شریعت نے اس تقسیم میں اولاد کا بھی حق رکھا ہے۔ ماں باپ کا بھی حق رکھا ہے۔ بیوی کا بھی حق رکھا ہے۔ خاوند کا بھی حق رکھا ہے اور بعض حالتوں میں بھائیوں اور بہنوں کا بھی حق رکھا ہے۔ قرآن کریم نے صاف طور پر حکم دیا ہے کہ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے۔ کہ وہ اس تقسیم کو بدل سکے یا کسی ایک رشتہ دار کو اپنی تمام جائیداد سپرد کر جائے۔ اس کی جس قدر جائیداد ہوگی۔ شریعت جبراً اس کے تمام رشتہ داروں میں تقسیم کر دیگی۔ اور ہر ایک کو وہ حصہ دیگی جو قرآن کریم میں اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ جہاں دنیا سود کی تائید میں ہے حالانکہ وہ دنیا کی بے جوڑ مالی تقسیم کا بڑا موجب ہے وہاں اکثر لوگ جبری ورثہ کے بھی مخالف ہیں اور اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ ایک ہی لڑکے کو مرنے والا اپنا مال دے جائے۔ حالانکہ اس سسٹم سے دولت ایک خاندان میں غیر محدود وقت تک جمع چلی جاتی ہے لیکن اسلامی اصول وراثت کے مطابق جائیداد خواہ کتنی بڑی ہو تھوڑے ہی عرصہ میں اولاد اور اولاد میں تقسیم ہو کر مالدار سے مالدار خاندان عام لوگوں کی سطح پر آ جاتا ہے۔ اور اس حکم کے نتیجہ میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جسکی بڑی سے بڑی جائیداد یا بڑی سے بڑی دولت تین چار نسلوں سے آگے بڑھ سکے۔ وہ مشکل تین چار نسلوں تک پہنچے گی اور پھر سب کی سب ختم ہو جائیگی اور آئندہ نسل کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوگی کہ وہ اپنے لئے اور جائیداد پیدا کرے۔ یورپ اور امریکہ میں بڑے بڑے مالدار اور لارڈز امی لئے ہیں۔ کہ انگلستان میں یہ قانون ہے کہ جائیداد کا مالک صرف بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ اور امریکہ میں اجازت ہے کہ باپ اپنی جائیداد چاہے تو صرف ایک بیٹے کو دے جائے۔ باقی ماں باپ۔ بھائی بہنیں خاوند بیوی سب محروم رہتے ہیں یا رکھے جاسکتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ وہاں بڑے بڑے مالدار یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ ہماری دس لاکھ

کی جائیداد ہے اُس میں سے ایک لاکھ تو دوسرے رشتہ داروں کو دیدیا جائے اور نو لاکھ بڑے لڑکے کو دے دیا جائے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ بالکل ناجائز ہے۔ تمہارے خاندان کی عظمت سوسائٹی کے فائدہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہیں اس بات کی پروا نہیں کہ تمہارا خاندان ملک میں چوٹی کا خاندان ہمیشہ سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مال تقسیم در تقسیم ہوتا چلا جائے تاکہ غریب کو بڑے بڑے سرمایہ داروں کا مقابلہ نہ کرنا پڑے اور اُن کے لئے ترقی کا راستہ دنیا میں کھلا رہے۔

غرض ایک طرف اسلام نے جذبات پر قابو پایا اور اُن تمام محرکات کو مسل دیا جن کے نتیجہ میں انسان یہ جانتا ہے کہ اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہو۔ دوسری طرف اُس نے یہودہ اخراجات کو حلقہ ردک دیا اور کہدیا کہ ہم ان اخراجات کی تمہیں اجازت نہیں دے سکتے۔ تیسری طرف ردیہ جمع کرنے کے تمام طریق جن میں یقینی نفع ہو کرتا ہے اُس نے ناجائز قرار دے دیئے۔ چوتھی طرف زکوٰۃ اور طوعی صدقات وغیرہ کے احکام دے دئے اور اگر ان سب حکام کے باوجود پھر بھی کوئی شخص اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے کچھ زائد روپیہ کمالیتا ہے اور خطرہ ہے کہ اُس کا خاندان غریب کے راستہ میں روک ٹوک کھڑا ہو جائے تو شریعت اُس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کی تمام جائیداد اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس یک کروڑ روپیہ ہے اور اس کے دس بیٹے ہیں تو اُس کے مرنے کے بعد ہر ایک کو دس دس لاکھ روپیہ مل جائیگا۔ اور اگر پچھڑے میں سے ہر ایک کے دس دس لڑکے ہوں تو وہ دس لاکھ ایک ایک لاکھ میں تقسیم ہو جائیگا اور تیسری نسل میں وہ دس دس ہزار روپیہ تک آجائیگا۔ گویا زیادہ سے زیادہ تین چار نسلوں میں بڑے سے بڑے تاجر کا بھی تمام روپیہ ختم ہو جائیگا۔ اور ایک ہلاک غریب کے راستہ میں کسی کھڑا نہیں ہوگا۔ تقسیم ورثہ صرف وقف کی صورت میں روکی جاسکتی ہے۔ مگر جس نے روپیہ کم کر غریب اور رفاہ عام کے لئے جائیداد وقف کر دینی ہو۔ وہ ناجائز طور پر روپیہ کسائیگا ہی کیوں۔

ان احکام پر اگر عمل کیا جائے تو لازماً جو روپیہ بھی زائد آئیگا یا وہ حکومت کے پاس چلا جائے گا یا دو گوں کے پاس جڑ جائیگا۔ اور یا پھر اولاد میں بٹ جائیگا۔ بہر حال کوئی شخص بڑا امیر نہیں رہیگا۔ اگر کوئی خود ہو تو کوئی خاندان ایسا نہیں رہیگا جو مستقل طور پر اپنی غنڈنی و جاہلیت یا اپنے خاندانی رعب کی وجہ سے ملک کے

غریاء کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ سکے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان احکام پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ زکوٰۃ کا حکم موجود ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ سراف کے تمام طریقوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ مگر وہ سراف سے باز نہیں آتے۔ ورثہ کا حکم دیا گیا ہے مگر وہ ورثہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی چونکہ کچھ نہ کچھ عمل ہوتا ہے اس لئے اسلامی ممالک میں امیروں اور غریبوں کا وہ فرق نہیں ہے جو دوسرے ممالک میں پایا جاتا ہے مگر ان تباہیوں سے بھی پورا علاج نہیں ہوتا۔ ہو سکتا تھا کہ جو روپیہ حکومت کے پاس آئے وہ پھر امراء ہی کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ دوبارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیں۔ قسراں کریم نے اس کا بھی علاج بتایا ہے۔ چنانچہ اس نے اس روپیہ پر جو حکومت کے پاس آئے کسی قسم کی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا آخَاةَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ خِلَافَهُ وَلَا رَسُولٍ وَلَا ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْلَا يَكُونَ دُولُهُ بَيْنَ الْغَنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَتَكُمْ

حکومت کے روپیہ پر تصرف کہ وہ امراء کو طاقت دینے کیلئے خرچ نہ ہو

الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْهُكُمْ عَنْهُ فَأْتَهُوا وَانْقُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (سورہ الحشر ۶)
فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ارد گرد کی فتوحات کے ذریعہ جو روپیہ دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور اس کے رسول کیلئے ہے اور قربت والوں کے لئے ہے اوریت ملی اور مساکین کے لئے ہے اور ان مسافروں کے لئے ہے جو علوم پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے دنیا کے مختلف ممالک میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ اور ہم نے یہ احکام تمہیں اس لئے دیئے ہیں تاکہ یہ روپیہ پھر امیروں کے پاس نہ چلا جائے۔ اور انہیں کے حلقہ میں جکڑ نہ کھانے لگے۔ ان آیات پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے غریاء کے حقوق کی حفاظت کی ہے اور اسلامی اقتصاد کی بنیادوں کو انتہائی طبر پر مضبوط کر دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ ہم نے یہ اسلامی اقتصادی نظام اس لئے قائم کیا ہے تاکہ اقتصادی حالت کو کوئی دھکا نہ لگے۔ اگر ہم آزادی دے دیتے اور اپنی طرف سے حقوق مقرر نہ کرتے تو پھر یہ اموال امراء کی طرف منتقل ہو جائے اور غریاء ویسے ہی خستہ حال رہتے جیسے پہلے تھے۔ پس ہم نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ وہ روپیہ جو حکومت کے قبضہ میں آئے پھر امیروں کے پاس ہی نہ چلا جائے۔ اس حکم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے اموال کو غریاء اور اُن لوگوں

کے لئے جن کی ترقی کے راستہ میں روکیں جائیں انہیں مخصوص کر دیا ہے۔

یہاں اللہ اور رسول کا جو حق مقرر کیا گیا ہے۔ حقیقت اس سے مراد بھی غریب ہی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا نام صرف اس لئے لیا گیا ہے کہ کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ عبادت گاہیں بنائے کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مدرسے بنائے۔ کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ہسپتال بنائے۔ اگر غالی غریب کے حقوق کا ہی ذکر ہوتا تو جب کبھی حکومت اس روپیہ سے اس قسم کے کام کرنے لگتی سوقت لوگ اس پر اعتراض کرتے کہ تم کو کیا حق ہے کہ اس روپیہ سے عبادت گاہیں بناؤ یا شفا خانے بناؤ یا سڑکیں بناؤ یا سکول بناؤ یہ تو صرف غریب کے کھانے پینے پہننے پر ہی خرچ ہونا چاہیے پس اس شخص کے ذالہ کیلئے اللہ اور اس کے رسول کے الفاظ رکھ دیئے گئے ہیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کا حق بھی غریب کو جائیگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تو روپیہ لینے کے لئے نہیں آتا۔ اور رسول کا حق بھی غریب کو جائیگا کیونکہ رسول تو ایک ذی وجود ہوتا ہے اس کے نام سے مراد اس کا قائم کردہ نظام ہی ہو سکتا ہے۔

پھر ذی القربیٰ کا جو حق بیان کیا گیا ہے اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں کہ ذی القربیٰ کے الفاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کا بھی اس روپیہ میں حق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرما دیا ہے کہ سادات کیلئے صدقہ یا زکوٰۃ کا روپیہ لینا حرام ہے۔ حقیقت اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی رشتہ دار نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے دین کی خدمت میں دن رات مشغول ہوں اور اس طرح خدا اور اس کے رسول کے عیال میں داخل ہو گئے ہوں گویا ذی القربیٰ کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ جو دین کی خدمت پر لگے ہوئے ہوں۔ ان کو تمنا وجود نہیں سمجھنا چاہیے وہ خدا تعالیٰ کا قرب چاہنے والے اور دنیا کو خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھانے والے ہیں ان پر بھی یہ روپیہ خرچ کیا جاسکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو قرآن پڑھانے والے ہوں یا حدیث پڑھانے والے ہوں یا دین کی اشاعت کا کام کرنے والے ہوں اس آیت کے مطابق ان پر بھی یہ روپیہ خرچ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب وہ دن رات دینی اور مذہبی کاموں میں مشغول رہیں گے تو ان کی بات ہے کہ وہ اپنے لئے دنیا کا نہیں سکیں گے۔ ایسی صورت میں اگر حکومت کی طرف سے ان پر

روپیہ خرچ نہیں کیا جائیگا تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی یا تو ان کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہونگے اور یا پھر اس خدمت کو ہی ترک کر دیں گے۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح دنیا کمانے میں لگ جائیں گے حالانکہ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ صاف طور پر حکم موجود ہے۔ کہ ہمیشہ مسلمانوں میں ایک جماعت کی شہادت کی ضرورت رہنی چاہیئے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہو اور رات دن دین کی اشاعت کا کام سرانجام دے رہی ہو۔ پس ذی القربیٰ سے مراد خدمت دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں اور اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ جہاں اس روپیہ میں غریب کا حق ہے وہاں ان لوگوں کا بھی حق ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ ان پر روپیہ صرف کرے۔ پھر فرمایا کہ ہماری اس نصیحت کو یاد رکھنا کہ یہ مال امراء کی طرف منتقل نہ ہونے پائے۔ آخر میں دہا ائتکم الرسول فخذوه کما امرکم کو سمجھایا کہ دیکھو تم اس روپیہ کو کسی طرح حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا کہ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرو۔

اسلامی حکومت کا ہر شخص کیلئے روٹی کپڑے کا انتظام کرنا

اسلامی تعلیم کے ماتحت ہر فرد بشر کے لئے روٹی اور کپڑا مہیا کرنا حکومت کے ذمہ تھا اور وہ اپنے اس فرض کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غرض کیلئے مردم شماری کا طریق جاری کیا اور رجسٹرات کھولے جن میں تمام لوگوں کے ناموں کا اندراج ہوا کرتا تھا۔ یورپین مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور انہوں نے ہی رجسٹرات کا طریق جاری کیا۔ اس مردم شماری کی وجہ یہی تھی کہ ہر شخص کو روٹی کپڑا دیا جاتا تھا۔ اور حکومت کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس بات کا علم رکھتے کہ کتنے لوگ ملک میں پائے جاتے ہیں۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ سو ویٹ ریشیا نے غریبوں کے کھانے اور ان کے کپڑے کا انتظام کیا ہے حالانکہ سب سے پہلے اس قسم کا اقتصادی نظام اسلام نے جاری کیا ہے اور علیٰ ذلک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر کے لوگوں کے نام رجسٹر میں

دہج کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کی بیوی اُسکے بچوں کے نام اور اُن کی تعداد درج کی جاتی تھی۔ اور پھر ہر شخص کے لئے
 غذا کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی تاکہ ٹھوڑا کھانے والے بھی گزارہ کر سکیں اور زیادہ کھانے والے بھی اپنی
 خواہش کے مطابق کھا سکیں۔ تاریخوں میں ذکر آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں جو فیصلے فرمائے اُن میں
 دودھ پیتے بچوں کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اور اُن کو اُس وقت غلہ کی صورت میں مدد ملتی شروع ہوتی تھی جب
 مائیں اپنے بچوں کا دودھ چھڑا دیتی تھیں۔ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے
 کے لئے گشت لگا رہے تھے کہ ایک خیمہ میں سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے
 مگر بچہ تھا کہ روتا چلا جاتا تھا اور ماں اُسے تھپکیاں دے رہی تھی تاکہ وہ سو جائے۔ جب بہت دیر ہو گئی
 تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خیمہ کے اندر گئے اور عورت سے کہا تم بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتی یہ کتنی دیر
 سے رو رہا ہے۔ اُس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں اُس نے سمجھا کہ کوئی عام شخص ہے۔ چنانچہ اس نے جواب
 میں کہا کہ تمہیں معلوم نہیں عمرؓ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دودھ پینے والے بچہ کو غذا نہ ملے۔ ہم غریب ہیں ہمارا
 گزارہ تنگی سے ہوتا ہے میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے تاکہ میت المال سے اس کا غلہ بھی مل سکے اب
 اگر یہ روتا ہے تو روئے عمرؓ کی جان کو جس نے ایسا قانون بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسی وقت واپس آئے
 اور راستہ میں نہایت غم سے کہتے جاتے تھے کہ عمر، عمر، معلوم نہیں تو نے اس قانون سے کتنے غریب بچوں کا
 دودھ چھڑوا کر آئندہ نسل کو کمزور کر دیا ہے ان سب کا گناہ اب میرے ذمہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ سٹور
 میں آئے دروازہ کھولا اور ایک بوری آٹے کی اپنی پیٹھ پر اٹھالی۔ کسی شخص نے کہا کہ لایئے میں اس بوری کو
 اٹھالتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، غلطی میری ہے اور اب ضروری ہے کہ اس کا خمیازہ بھی میں ہی بھگتوں
 چنانچہ وہ بوری آٹے کی انہوں نے اس عورت کو پہنچائی اور دوسرے ہی دن حکم دیدیا کہ جسدن بچہ پیدا ہو۔
 اسی دن سے اُس کیلئے غلہ مقرر کیا جائے کیونکہ اُس کی ماں جو اُس کو دودھ پلاتی ہے زیادہ غذا کی محتاج ہے۔
 اب دیکھو! یہ انتظام اسلام نے شروع دن سے ہی کیا ہے۔ بلکہ
 قرآن کریم سے تو پتہ لگتا ہے کہ اس نظام کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کے زمانہ سے نہیں ہوئی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہوئی ہے

قرآن مجید کا حکم کہ ہر فرد بشر
 کی ضرورت کو پورا کیا جائے

چنانچہ پہلی وحی جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئی اُس میں یہی حکم ہے کہ ہم تمہیں ایک جنت میں رکھتے ہیں۔ جس کے متعلق ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ اِنَّ لَكَ اَلَا تَجُوْعُ فِيْهَا وَكَأَن تَحْرِى وَ اِنَّكَ لَا تَظْمَوُا فِيْهَا وَ لَا تَفْضَحُوْا (سورۃ طہ) یعنی اے آدم! ہم نے تمہارے جنت میں رکھے جانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تم اُس میں بھوکے نہیں رہو گے۔ تم اُس میں پیاسے نہیں رہو گے اور تم اُس میں رہنے کی وجہ سے دھوپ میں نہیں پھر دو گے۔ لوگ اس آیت سے غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد انفرادی جنت ہے۔ اور آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب انسان جنت میں جائیگا تو وہاں اُس کا یہ حال ہوگا حالانکہ قرآن کریم سے صاف ظاہر ہے کہ آدم اسی دنیا میں پیدا ہوئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنۡحَبَاۤءِلۡ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (مورقہ طہ) میں دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کر نیوالا ہوں اور دنیا میں جو شخص پیدا ہوتا ہے وہ بھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پیاسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سگّا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ دھوپ میں بھی پھر سکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں تو پیدا ہو اور بھوک اور پیاس اور لباس اور مکان کی ضرورت اُسے نہ ہو۔ اور جبکہ یہ آیت اسی دنیا کے متعلق ہے تو لازماً ہمیں اس کے کوئی اور معنی کرنے پڑیں گے اور وہ معنی یہی ہیں کہ ہم نے اپنا پہلا قانون جو دنیا میں نازل کیا اُس میں ہم نے آدم سے یہ کہہ دیا تھا۔ کہ ہم ایک ایسا قانون تمہیں دیتے ہیں کہ تجھ کو اور تیری امت کو جنت میں داخل کر دیگا اور وہ قانون یہ ہے کہ ہر ایک کے کھانے پینے لباس اور مکان کا انتظام کیا جائے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے لئے غذا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص سگّا نہیں رہنا چاہیے بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے لئے کپڑا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص پیاسا نہیں رہنا چاہیے بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیے کہ وہ تالابوں اور کنوؤں وغیرہ کا انتظام کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص بغیر مکان کے نہیں رہنا چاہیے بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے لئے مکان مہیا کرے۔ یہ وہ پہلی وحی ہے جو دنیا میں نازل کی گئی اور یہ وہ پہلا تمدن ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ دنیا میں قائم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا پر اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ خدا سب کا خدا ہے۔ وہ امیروں کا بھی خدا ہے وہ غریبوں کا بھی خدا ہے۔ کمزوروں کا بھی خدا ہے اور طاقتوروں کا بھی

خدا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دنیا کا ایک طبقہ تو خوشحالی میں زندگی بسر کرے اور دوسرا روٹی اور کپڑے کے لئے ترستا رہے۔

یہی وہ نظام تھا جو اسلام نے اپنے زمانہ میں دوبارہ قائم کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظام جلد ہی مٹ گیا۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں جتنے بڑے کام ہیں ان میں بھی یہی قانون پایا جاتا ہے کہ وہ کئی اہروں سے اپنی بلندی کو پہنچتے ہیں۔ ایک دفعہ دنیا میں وہ قائم ہو جاتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد پورے رسم و رواج کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں۔ مگر دماغوں میں ان کی یاد قائم رہ جاتی ہے اور ایک اچھا بیج دنیا میں بویا جاتا ہے۔ اور ہر شریعت اور منصف مزاج انسان تسلیم کرتا ہے کہ وہ چیز اچھی تھی مجھے دوبارہ اس چیز کو دنیا میں واپس لانا چاہیے۔ پس گو یہ نظام ایک دفعہ مٹ گیا مگر اب اسی نظام کو دوبارہ احمدیت دنیا میں قائم کرتا چاہتی ہے۔ وہ ایک طرف حد سے زیادہ دولت کے اجتماع کو روکے گی۔ دوسری طرف غریبوں کی ترقی کے سامان کرے گی اور تیسری طرف ہر شخص کے لئے کھانے پینے کپڑے اور مکان کا انتظام کریگی۔

خدا اسے یہ کہ اسلام کا اقتصادی نظام مہنی ہے۔ (۱) دولت جمع کرنے کے خلاف وعظ پر۔ (۲) دولت حد سے زیادہ جمع کرنے کے محرکات کو روکنے پر (۳) جمع شدہ دولت کو جلد سے جلد بانٹ دینے یا کم کر دینے پر (۴) حکومت کے روپیہ کو غریبوں اور کمزوروں پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کو مہیا کرنے پر۔ اور یہی نظام حقیقی اور مکمل ہے کیونکہ اس سے (۱) اخروی زندگی کے لئے سامان بہم پہنچانے کا موقع ملتا ہے (۲) سادہ اور مفید زندگی کی عادت پڑتی ہے (۳) جبر کا اس میں دخل نہیں ہے (۴) انفرادی قابلیت کو کچلا نہیں گیا (۵) باوجود اس کے غریبوں اور کمزوروں کے آرام اور ان کی ترقی کا سامان ہتیا کب گیا ہے۔ (۶) اور پھر اس سے دشمنیوں کی بنیاد بھی نہیں پڑتی۔

کیونزم

اس نظام کے مقابلہ میں چونکہ کیونزم کا نظام کھڑا کیا گیا ہے اور اس نہ اس طرز پر زور دیا جاتا ہے اس لئے میں اب کچھ باتیں کیونزم کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔

کیونزم کا دعویٰ ہے کہ اول ہر اک سے اس کی قابلیت کے مطابق کام لیا جائے۔ دوم ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق خرچ دیا جائے۔ سوم باقی روپیہ حکومت کے پاس رعایا کے وکیل (Trustee) کی صورت میں جمع رہے۔ انکی بنیاد اس امر پر ہے کہ تمام انسانوں میں مساوات ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر ہر شخص کام کرتا ہے تو ہر شخص مساوی بدلہ کا مستحق ہے اور کوئی شخص زائد دولت اپنے پاس رکھنے کا حقدار نہیں اور اگر کسی شخص کے پاس زائد دولت ہو تو وہ اس سے لے لیتی چاہیے۔ یہ اس کا اقتصادی نظریہ ہے۔ اس نظریہ کا ایک سیاسی ماحول بھی ہے مگر چونکہ میرا مضمون سیاسی نہیں بلکہ اقتصادی ہے اس لئے میں اسے نہیں چھوٹا۔

جہاں تک نتیجہ کا سوال ہے یہ بات بالکل درست ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو روٹی ملنی چاہیے ہر انسان کو کپڑا ملنا چاہیے ہر انسان کو رہائش کیلئے مکان ملنا چاہیے۔ ہر انسان کے علاج کا سامان ہونا چاہیے۔ ہر انسان کی تعلیم کی صورت ہونی چاہیے یعنی بنی نوع انسان کی ابتدائی حقیقی ضرورتیں بہر حال پوری ہونی چاہئیں اور کوئی شخص بھوکا یا پیاسا یا ننگا نہیں رہنا چاہیے۔ ایسی طرح کوئی شخص ایسا نہیں ہونا چاہیے جو بغیر مکان کے ہو جسکی تعلیم کی کوئی صورت نہ ہو اور جسکے بیمار ہونے کی صورت میں اسکے علاج کا کوئی سامان موجود نہ ہو۔ پس جہاں تک اس نتیجہ کا سوال ہے اسلام کی تعلیم کو اس سے کلی طور پر اتفاق ہے وہ سو فیصدی اس بات پر متفق ہے کہ مملکت کا اقتصادی نظام ایسا ہی ہونا چاہیے اور اسلام کے نزدیک بھی وہی حکومت صحیح معنوں میں حکومت کہلا سکتی ہے جو ہر ایک کیلئے روٹی مہیا کرے ہر ایک کیلئے کپڑا مہیا کرے ہر ایک کیلئے مکان مہیا کرے۔ ہر ایک کی تعلیم کا انتظام کرے اور ہر ایک کے علاج کا انتظام کرے۔ پس اس حد تک اسلام کیونزم کے نظریہ سے بالکل متفق ہے گو یہ فرق ضرور ہوگا کہ اگر کوئی شخص اپنی قابلیت کا اظہار کرنا چاہے تو کیونزم کے ماتحت وہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں انفرادی جدوجہد کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا ہے۔

اسلام اور کمیونزم میں ایک فرق

درحقیقت انفرادی آزادی ایک طرف انسانی قابلیت کی نشوونما کے لئے ضروری ہوتی ہے اور دوسری طرف موت کے بعد کی اعلیٰ زندگی کا دارومدار اقتصادیات میں انفرادی آزادی کے قیام پر ہے مگر کمیونزم انفرادی جدوجہد کا راستہ بند کرتی اور حریت شخصی کو مٹا دیتی ہے جو ایک بہت بڑا نقص ہے۔ یہ اختلاف جو اسلام اور کمیونزم میں پایا جاتا ہے مگر ہر حال نتیجہ سے اسے کوئی اختلاف نہیں۔ روس نے اس نظریہ پر عمل کر کے جو اقتصاد دی بردگراں بنایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اس میں خاص ترستی کی ہے اور وہاں کے عام لوگوں کی مالی حالت یا یوں کہو دیکھو کمیونسٹ اس سے متفق نہ ہوں کہ یوں دین حصہ کی مالی حالت آگے سے اچھی اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہاں غرباء کو روٹی ملی کپڑا ملا مکان ملا علاج کیلئے دوائیں میسر آئیں اور تعلیم کیلئے مدرسے ان کے لئے کھولے گئے ہیں جہاں تک روس کی کمیونسٹ پارٹی کے اس نتیجہ کا تعلق ہے۔ اسلامی روح اقتصادیات اس پر خوش ہی ہوگی لیکن جیسا کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہے ذرائع اور بعض نتائج سے اسلام موافق نہیں ہو سکتا۔

کمیونزم پر مذہبی لحاظ سے بعض اعتراضات

میں چونکہ اسلام کی فائندگی کر رہا ہوں۔ اس لئے سب سے پہلے میں کمیونسٹ اقتصادی نظام کے

ان حقوق کو لیتا ہوں جو مذہب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سب سے پہلا اعتراض جو کمیونسٹ نظام پر مجھے اور ہر موت کے بعد کی زندگی کے ماننے والے کو ہونا چاہیئے یہ ہے کہ ایک شخصی طوعی جدوجہد جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ظاہر ہو کر انسان کو آخری زندگی میں مستحق ثواب بناتی ہے اس کیلئے بہت سی کہ موقعہ باقی رکھا گیا ہے۔ بجائے اسکے کہ اس سے ضروری حصہ دولت کا لے کر باقی حصہ کے خرچ کو اس پر چھوڑا جائے کہ وہ اُسے جس رنگ میں چاہے صرف کرے اس کی خوراک اور لباس کے سوا اُس کے پاس کچھ چھوڑا ہی نہیں لیا کہ وہ اپنی آخری زندگی کیلئے بھی کوئی جدوجہد کرے۔ وہ روٹی کھا سکتا ہے وہ کپڑا پہن سکتا ہے وہ رہائش کے لئے مکان لے سکتا ہے وہ اپنا علاج کرا سکتا ہے وہ اپنی تعلیم سے بے فکر ہو سکتا ہے مگر آخری زندگی کیلئے اُسے پاس ایک پیسہ بھی نہیں چھوڑا جاتا۔ تو یا اُس کی چالیس برس سالہ زندگی کی تو فکر کی گئی ہے مگر اسکے عقیدہ کے رو سے جو غیر متین ہی زندگی انیوالی تھی اُسکو یونہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے کوئی شخص جو مذہب کی سچائی پر یقین رکھتا ہو اور اُس کے احکام پر عمل کرنا اپنی نجات کے لئے ضروری سمجھتا ہو ایک لمحہ کیلئے

بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مثلاً اسلام اُن مذاہب میں سے ہے جو اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور
 دنیا میں تبلیغ کرو۔ جاؤ اور لوگوں کو اپنے اندر شامل کرو۔ کیونکہ دنیا کی نجات اسلام سے وابستہ ہے۔ وہ شخص
 جو اسلام سے باہر رہیگا نجات سے محروم رہیگا اور آخری زندگی میں ایک مجرم کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ
 کے سامنے پیش ہوگا۔ تم ایک مسلمان کو عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پاگل کہہ لو بے وقوف کہہ لو۔ جاہل کہہ لو
 بہر حال جب تک وہ اسلام کی سچائی پر یقین رکھتا ہے جب تک وہ بنی نوع انسان کی نجات صرف
 اسلام میں داخل ہونے پر ہی منحصر سمجھتا ہے اس وقت تک وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ میں اپنے ہر اس بھائی کو جو
 اسلام میں داخل نہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤں۔ اُسے تبلیغ کروں اور اُس پر اسلام کے محاسن اس عمدگی
 سے ظاہر کروں کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائے۔ آخر اگر یہ بنی نوع انسان کا خیر خواہ ہے۔ اگر یہ اُنکی بھلائی
 اور عاقبت کی بہتری کا خواہشمند ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بیان کے سامنے اس پیغام کو پیش نہ کرے
 جو اس کے عقیدہ کے رُومے انسان کی دائمی حیات کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ اپنے دوست کے متعلق
 پسند نہیں کرتا کہ وہ گڑھے میں جا گرے۔ اگر یہ اپنے دوست کے متعلق پسند نہیں کرتا کہ دشمن اُسے گولی
 کا شکار بنائے تو یہ کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ ابداً آباد کی زندگی میں وہ دوزخ میں ڈالا جائے۔ اور
 خدا تعالیٰ کی جنت اور اس کے قرب اور اُس کی رضا مندی سے محروم ہو جائے۔ چاہے تم کچھ کہہ لو۔ ایک
 مذہب سے وابستہ انسان کی انتہائی آزدی ہوگی کہ وہ اپنے بھائی کی اعتقادی اور عملی حالت کو درست
 کرے لیکن کمیونسٹ نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اُس کی جدوجہد کو اول تو سیاسی طور پر روکا جائیگا
 چنانچہ ہمارا اپنا تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ میں نے ایک احمدی مبلغ روس میں بھجوا یا۔ مگر بجائے اس کے
 کہ اُسے تبلیغ کی اجازت دی جاتی اُسے قید کیا گیا۔ اُسے لوہے کے تختوں کے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ باندھ کر
 اور کئی کئی دن بھوکا اور پیاسا رکھ کر مارا پیٹا گیا اور اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ سور کا گوشت کھائے اور
 یہ مظالم برابر ایک لمبے عرصہ تک اس پر ہوتے چلے گئے (حضور نے اس موقع پر مولوی ظہور حسین صاحب
 مجاہد روس کو کھڑے ہونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔) یہ وہ صاحب ہیں جنہیں مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا۔
 دو سال دو ماہ کم انکو تاشقند عشق آباد اور ماسکو کے قید خانوں میں رکھا گیا اور لوہے کے تختوں کے ساتھ

باندھ باندھ کر مارا گیا اور انہیں بار بار مجبور کیا گیا کہ سور کا گوشت کھاؤ۔ یہاں تک کہ ان متواتر مظالم کے نتیجہ میں ان کی دماغی حالت خراب ہو گئی۔ پس پر وہ انہیں ایران کی سرحد پر لاکر چھوڑ گئے۔ وہاں کے برطانوی سفیر نے گورنمنٹ آف انڈیا کو اطلاع دی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے تار دیا کہ آپ کے ایک مبلغ کو روسی حکومت ایران کی سرحد پر لاکر چھوڑ گئی ہے۔ چنانچہ میں نے گورنمنٹ کو لکھا کہ اس مبلغ کو آپ ہائے پاس بھجوا دیں اور آپ کا بس قدر خرچ ہو وہ ہم سے وھول کریں اس پر گورنمنٹ نے انکو ہندوستان پہنچا دیا پس یہ وہ ہمارے مبلغ ہیں جنہیں دو ماہ کم دو سال شدید ترین عذابوں میں مبتلا رکھا گیا۔ اور کسی ایک مرحلہ پر بھی ان کو مذہبی تبلیغ کی اجازت روس میں نہ دی گئی۔

پس اڈل تو وہ سیاسی طور پر تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے لیکن چونکہ یہ اقتصادی مضمون ہے اسلئے اسے نظر انداز بھی کر دو تو سوال یہ ہے کہ ایک اقلیت اکثریت کے مذہب کو بدلنے کیلئے کس قدر قربانی کے بعد لٹریچر وغیرہ ہتیا کر سکتی ہے۔ مثلاً ہماری جماعت ہی کو لے لو۔ ہم اقلیت ہیں مگر ہم دنیا میں اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمی گمروس میں تبلیغ کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ہر شخص یہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ دشمن کو مسلمان بنانے کے لئے کتنے کثیر لٹریچر کی ضرورت ہے اور کتنا مال ہے جو اس جدوجہد پر خرچ آسکتا ہے۔ ہماری جماعت اس جدوجہد کو اسی صورت میں جاری رکھ سکتی ہے جب اسکی کمائی اس سے پوری نہ چھین لی جائے اور کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ بھی اس کے پاس روپیہ ہو۔ تا وہ اس سے ان خراجات کو پورا کر سکے جن کو وہ اپنی آخر دی بھلائی کے لئے ضروری سمجھتی ہے لیکن کیونکہ ہم کا اقتصادی نظام تو کسی کے پاس نامہ روپیہ رہنے ہی نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ اس جدوجہد کو کام ہی نہیں سمجھتا اسلئے نزدیک مادی کام میں لیکن مذہبی کام کرنے کو کام سمجھتا ہے۔ وہ مشین چلانے کو کام سمجھتا ہے وہ ہل چلانے کو کام سمجھتا ہے وہ کارخانے میں کام کرنے کو کام سمجھتا ہے۔ لیکن خدائے وحد کے نام کی بندی اور اس کے دین کی اشاعت کے کام کو وہ کام نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ الہام کو نہیں مانتا وہ شریعت کو نہیں مانتا۔ وہ مذہب کو نہیں مانتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ مذہبی لوگ پاگل ہیں اور اپنے وقت کو ضائع کر رہے ہیں اسلئے ان مسئلوں کی خودک یا لبس یا رہائش وغیرہ کی حکومت ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ حکومت ان کی اسی صورت میں

ذمہ دار ہو سکتی ہے جب وہ کام کریں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ مادی کام کریں مذہبی اور روحانی کاموں سے دست بردار ہو جائیں پس کیونز م کے ماتحت اسلام روس میں اپنی اس جدوجہد کو جاری ہی نہیں کر سکتا۔ جاری رکھنا اور مسلسل جاری رکھتے چلے جانا تو الگ رہا۔ ایک سلمان کے نزدیک خواہ وہ بھوکا رہے مگر آخر دی زندگی درست ہو جائے تو وہ کامیاب ہے اور اپنے بھائی کے متعلق اس کا یہ نظریہ ہے کہ اگر دنیا بھر کی دولت اس کے پاس ہو لیکن آخر دی زندگی اس کو نہ ملے ہدایت اس کو سیتہ نہ آئے خدا تعالیٰ کی رضا اس کو حاصل نہ ہو تو وہ ناکام ہے۔

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کی خیر خواہی اس کو محبوب کرتی ہے کہ وہ اپنے گمراہ بھائی کی آخر دی زندگی کیسے سامان مہیا کرے مگر اس سے اس کا سارا مال لے لیا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ ہم وطن کی جان بچاتے ہیں۔ اور اس کی روح کو مرنے دیا جاتا ہے جہاں تک ردی اور کپڑا درمکان مہیا کرنے کا سوال تھا۔ جہاں تک تعلیم مہیا کرنے کا سوال تھا۔ جہاں تک علاج مہیا کرنے کا سوال تھا ہم اسلامی تعلیم کے ماتحت ان سے متفق تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ اس قدر ٹیکس ضرور لگنا چاہیے کہ دنیا میں ہر فرد کو یہ تمام ضروریات میسر آجائیں مگر یہاں تو دوسرا نقطہ یہ بھی ہے کہ اپنی ردی کپڑے سے زائد سب کچھ حکومت کو دے دو اور اپنے عقیدہ کی اشاعت میں کوئی حق نہ لو۔ گویا ہم نے تو ان کی تائید کی اور اس سنے کی کہ ہمارا مذہب بھی یہی تعلیم دیتا ہے مگر انہوں نے بجائے مذہب کا شکر گزار ہونے کے اور اس کی اشاعت کی اجازت دینے کے یہ کہہ دیا کہ ہم خدا اور اس کے رسول کا نام پھیلانے کی تمہیں اپنے ملک میں اجازت نہیں دے سکتے یہ بیکاری اور قوم پر بو جھ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ اگر کیونسٹ یہ کہتے کہ ہم مذہب کے مخالف ہیں اور اسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں تو گو پھر بھی ہمیں اختلاف ہوتا۔ مگر ہمیں افسوس نہ ہوتا۔ ہم سمجھتے کہ جو کچھ ان کا دل میں عقیدہ ہے اسی کو اپنی زبان سے ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے تو یہ کہ کیونسٹ یہ بات ظاہر نہیں کرتے وہ کھلے بندوں یہ نہیں کہتے کہ ہم اپنے نظام کے ماتحت تمہارے مذہب کو اپنے ملک میں پھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے بلکہ وہ گھر کے پچھلے دروازہ سے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اکثر مذہب کے ماننے والے اس وقت تک اس چال کی سے واقف ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنی شصیت کھو چکے ہوتے ہیں اور کیونز م سے ان کی ہمدردی

اور محبت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے کیونکہ اگر کھلے بندوں کہے کہ ہم آخری زندگی کو کوئی قیمت نہیں دیتے ہم اس کے پرچہ لک کے لئے کوئی سامان تمہارے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تو آنکھوں کھلے لوگ اس میں داخل ہوں مگر دوسرے مالک میں اس حصہ کو پوری طرح مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کیونکہ صرف ایک اقتصادی نظام ہے مذہب اسکا کوئی ٹکراؤ نہیں حالانکہ مذہب نام ہے تبلیغ کرنے کا مذہب نام ہے ایک دوسرے کو خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا خواہ یہ تقریر کے ذریعہ ہو یا تحریر کے ذریعہ ہو لٹریچر کے ذریعہ ہو یا کتابوں کے ذریعہ ہو۔ مگر کیونکہ تو کسی انسان کے پاس کوئی زائد روپیہ چھوڑتا ہی نہیں۔ پھر ایک مذہبی آدمی ٹریکٹ کس طرح چھوڑے۔ اور کتابیں کس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلانے۔ اس پابندی کا لازمی نتیجہ ہی نکلتا ہے کہ مذہب کی اشاعت رک جائے اور لامذہبیت کا دور دورہ ہو جائے۔

دین کیسے زندگی وقف کرنے میں کیونٹسٹ نظام کی روئیں

اب اس سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ میں روپیہ نہیں مانگتا لیکن میں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ میں مایہ رس میں پھرونگا اور اپنے خیالات ان لوگوں پر ظاہر کر دوں گا۔ میں گاؤں بہ گاؤں اور قصبہ بہ قصبہ اور شہر بہ شہر جاؤں گا۔ اور لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا کیونٹسٹ گورنمنٹ ایک مسلمان کو اپنی زندگی وقف کرنے اور اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے ملک میں پھرنے کی اجازت دیگی یا جبراً اسے اس کام سے روکیگی اور اسے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں محبوس کر دیگی۔ یقیناً اسکا ایک ہی جواب ہے کہ کیونٹسٹ گورنمنٹ اسے جبراً اس کام سے روکے گی۔ اسے دین اور مذہب کا کام نہیں کرنے دیگی۔ اسے قید خانہ میں بند کر دیگی اور اسے کہے گی کہ یا تو کوئی اور کام کرو۔ درمیانہ یاد رکھو اس قسم کے کام کے ساتھ تمہیں روٹی اور کپڑا نہیں مل سکتا۔ گویا خدا کے لئے میرا اپنی زندگی کو وقف کر دینا میرا قرآن کی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا۔ میرا حدیث کی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا جس کے بغیر میرے عقیدہ کے لئے میری آخری زندگی سدھری نہیں سکتی کیونکہ ہم کے

نزدیک نکلنا ہے یہ بیکاری اور وقت کا ضیاع ہے۔ کیونست حکومت اسلام کی اشاعت کیلئے اپنی زندگی وقف کرنے والے کو کسی بھی قسم کے اشاعت کا کام کیا تو یاد رکھو یا تو تمہیں قید کر دیا جائے گا اور یا تمہاری روٹی اور کپڑا بند کر دیا جائیگا حالانکہ قرآن کریم اس قسم کے افراد کی جماعت کو قومی لحاظ سے نہایت ضروری قرار دیتا ہے۔ اور مذہب کو ماننے والے اس امر کے قائل ہیں کہ ایک حصہ انکے افراد کا پوری طرح مذہبی نظام کے قیام کیلئے فارغ ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (سورۃ آل عمران ۱۰۴) یعنی اے مسلمانو! تم میں سے ایک جماعت پورے طور پر مذہبی نگرانی کے لئے دنیوی کاموں سے فارغ ہونی چاہیئے۔ اور اس جماعت کے افراد کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ نیک باتوں کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ عمدہ باتوں کی تعلیم دیں اور برے اخلاق سے لوگوں کو روکیں۔ پس اسلامی تعلیم کے ماتحت ایک حصہ کلی طور پر اس غرض کیلئے وقف ہونا چاہیئے۔ یہ صحیح بات ہے کہ اسلام زندگی وقف کرنے والوں کو کوئی خاص حقوق نہیں دیتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک خاص کام ان کے سپرد کرتا ہے۔ اسلام پادریت (Priest Hood) کا قائل نہیں مگر وہ مذہبی نظام کا ضرور قائل ہے۔ عیسائیت تو جن لوگوں کے سپرد تبلیغ کا کام کرتی ہے ان کو دوسروں سے بعض زائد حقوق بھی دے دیتی ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کوئی زائد حق نہیں دیں گے جو دین کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کریں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ زندگی وقف کرنے والے کے سپرد خاص طور پر یہ کام ہوگا کہ وہ اسلام کو پھیلانے اور تبلیغی یا تربیتی نقطہ نگاہ سے ہر وقت اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھے۔ اس قسم کے لوگوں کی نفی کر کے نظام اسلام کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ آخر ایک تفصیلی آئین بغیر اس کے ماہروں اور بغیر اس کے مبتغیوں کے کس طرح چل سکتا ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو دنیا کے تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ مکمل ہے اور وہ ایک وسیع اور کمال آئین اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ عبادات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ اقتصادیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ سیاسیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ آقا اور ملازمین کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ معلم اور متعلم کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ میاں اور بیوی کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ تجارت اور لین دین کے معاملات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔

وہ ورثہ کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ بین الاقوامی جماعتوں کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ قضاء کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ غرض ہزاروں قسم کی تعلیمیں اور ہزاروں قسم کے قانون ہیں جو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ایک امر مکمل تعلیم اور کامل معظموں کو چاہتا ہے جو رات دن اسی کام میں لگے رہیں جب تک اس تفصیلی آئین کو سکھانے والے لوگ اسلام میں موجود نہیں ہونگے لوگ سیکھیں گے کیا۔ اور کس سے۔ اور اسلام پر مسلمان عمل کس طرح کریں گے اور اسلام دنیا میں پھیلے گا کس طرح؟

تفسیر کا علم خود ایک مکمل علم ہے۔ جب تک مفسر نہ ہو یہ علم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور مفسر بننے کے لئے سالہا سال تک تفسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لغت کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف و نحو کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر پرانی تفسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مذاہب کی کتب اور انکی تاریخ خصوصاً تاریخ عرب اور تاریخ بنی اسرائیل اور بائبل کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بغیر ان باتوں کے جاننے کے کوئی شخص قرآن کریم کے مطالب کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی کو سمجھائے۔ مگر ایسے آدمی دنیا میں کتنے ہوتے ہیں صدیوں میں کوئی ایک آدمی پیدا ہوتا ہے باقی تو کسب سے جو تقویٰ کے ساتھ ہو یہ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کیونست تو اس کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کسی کو قرآن کریم اور تفسیر اور عربی بارہ سال تک پڑھنے اور پھر دوسروں کو پڑھانے کا موقع کب دے سکتے ہیں وہ تو ایسے شخص کو یا قید کر دیں گے یا اس کا کھانا پینا بند کر دیں گے کہ وہ نکلتا اور قوم پر بوجھ ہے۔ اسی طرح حدیث کا علم بھی غلط وہ درجنوں حدیث کی کتب کے درجنوں ان کی شریحات کی کتب کے اور اس کے ساتھ لغت اور صرف و نحو اور اسماء الرجال کی کتب پر مشتمل ہے۔ بغیر حدیث کے علم کے مسلمانوں کو اسلام کی تفصیلات کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس علم کے ماہرین کے جو اپنی عمر اس علم کے حصوں میں خرچ کریں مسلمانوں میں اس علم کی واقفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی مگر کیونست تو اس علم کے پڑھنے کو بھی لغو اور فضول اور بیکار قرار دیتی ہے۔ وہ اس علم کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اپنی عمر اس علم کے حصول میں قطعاً خرچ نہ کرنے دیگی۔ یا ایسے آدمی کو قید کرے گی یا اسے فاقوں کی مار لیگیو کہ وہ اس کے نزدیک بیکار وجود ہے اور قوم پر بار۔ مگر مسلمان بغیر اس علم کے ماہرین کے اپنے دین سے

نہ واقف ہو سکتے ہیں نہ اس پر کاربند ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح علمِ فقہ، علمِ قضا، علمِ تاریخ، اسلام، علمِ تقوٰت، علمِ معاش
 اسلامی، علمِ اقتصاد اسلامی، ایسے علوم ہیں کہ اُن کے جاننے والوں کے بغیر اسلامی جماعت کو جہاں تک
 اسلام کا تعلق ہے زندہ نہیں رکھا جاسکتا۔ مگر کمیونزم نہ ان علوم کے پڑھانے والوں کو اپنے ملک میں رہنے
 دے سکتی ہے اور نہ پڑھنے والوں کو۔ کیونکہ وہ ان لوگوں کو بے کار قرار دیکر ان کیلئے گزارہ کی صورت پیدا
 نہیں کرتی۔ اور عوام کے پاس سودیٹ اقتصادیات کے ماتحت اس قدر روپیہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ان لوگوں کے
 گزارہ کی خود صورت پیدا کریں جیسا کہ ہندوستان، چین، عرب وغیرہ ممالک میں مسلمان اسلامی علماء اور طلباء کے گزارہ
 کی صورت پیدا کر رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب اور کمیونزم کا کام کی تشریح میں سخت اختلاف ہے۔
 ہمارے نزدیک جو شخص مشین چلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو شخص
 مذہب پھیلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم دے رہا
 ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ بھی
 کام کر رہا ہے۔ مگر اُن کے نزدیک جو شخص مشین چلاتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے مگر جو شخص مذہب پڑھتا یا
 پڑھاتا یا پھیلاتا ہے وہ نکمّا اور بے کار ہے۔ اُن کے نزدیک لوگوں کو الف اور باء سکھانا کام ہے مگر
 ﷺ اللہ ﷻ رسول اللہ اگر لوگوں کو سکھایا جائے تو یہ کام نہیں بلکہ نکمّا پن ہے پس گو نطق
 ہم اُن سے متفق ہیں اور ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کام کرنے والا ہی روٹی کا مستحق ہونا چاہیے مگر اس امر میں ہم
 ہرگز اُن سے متفق نہیں ہیں کہ جب تک ایک کمیونسٹ کسی کام کی تصدیق نہ کرے وہ کام ہی نہیں ہے۔
 کمیونسٹ کے نزدیک آخری زندگی کے لئے کام کام نہیں بلکہ وقت کا ضیاع ہے اُس کے نزدیک قرآن
 پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ حدیث پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ فقہ پڑھانے والا وقت
 ضائع کر رہا ہے۔ اصول فقہ پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے تفسیر پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے تقوٰت
 پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ لوگوں کو اخلاق کا درس دینے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے
 نزدیک یہ اُس کی جان سے زیادہ قیمتی اشیاء ہیں۔ اور ان علوم کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کیلئے ہزاروں نساؤں
 کی ضرورت، صرف دس میں کہ جہاں مسلمان تین کروڑ ہیں کم سے کم پچاس ہزار علماء اور اتنے ہی طلباء چاہئیں۔

اسلام اور کمیونزم کا
 کام کی تشریح میں اختلاف

جو آئندہ انکی جگہ لیں مگر کیونرم نظام کے نزدیک یہ تمام لوگ جو قرآن پڑھانے والے حدیث پڑھانوالے۔ تفسیر پڑھانے والے۔ نفوت پڑھانوالے۔ فقہ پڑھانوالے۔ اصول فقہ پڑھانے والے یا اخلاق کا درس دینا کو دینے والے ہیں خون کو چوس لینے والے اور قوم کو تباہ کر دینے والے کیڑے ہیں۔ یہ نکمے اور نالائق وجود ہیں۔ یہ اپنی قوم پر بار ہیں اور یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کو جلد سے جلد دنیا سے مٹا دیا جائے۔

اب دیکھو ہمارے نظریہ اور ان کے نظریہ میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ادا اس مشرق و مغرب کے مستشرقین کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگ دھوکے باز بھی ہوتے ہیں اور وہ دین کی خدمت کا دعویٰ کر کے اپنے اعمال اس کے مطابق نہیں بناتے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شخص جو دین کی سچی خدمت کر رہا ہو جو اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی کو قربان کر رہا ہو ہم اُسے اپنا سرور سمجھتے ہیں اُسے قومی زندگی کیلئے بہتر لہر روح سمجھتے ہیں اور ہم اُسے اپنا بڑے سے بڑا محسن سمجھتے ہیں۔ مگر کیونسٹ ایسے لوگوں کو ادنیٰ سے ادنیٰ اور ذلیل سے ذلیل تر وجود قرار دیتے ہیں۔ وہ انکو نکمّا اور قوم کا غدار سمجھتے ہیں اور انکے نزدیک یہ لوگ اس قابل ہیں کہ یا تو ان کو قید کر دیا جائے اور یا اپنے ملک سے باہر نکال دیا جائے۔

کیونسٹ نظام میں انبیاء علیہم السلام کا درجہ | اس تفصیل کے ماتحت کیونسٹ نظام میں وہ شخص جس کے پیروں کی میل کے برابر سبھی ہم دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کو نہیں سمجھتے جس کیلئے ہم میں سے ہر شخص اپنی جان کو قربان کرنا اپنی انتہائی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے یعنی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو رات اور دن خدا کی باتیں سنا کر نبی نوع انسان کی روح کو روشن کیا کرتے تھے اسی طرح مسیح موعی۔ ابراہیم۔ کرشن۔ رام چندر۔ بودھ۔ زرتشت۔ گوردانک کنفیوشس یہ سب کے سب نعوذ باللہ نکمے اور قوم پر بار تھے۔ اور ایسے آدمیوں کو ان کے قانون کے ماتحت یا تو فیکٹریوں میں کام کے لئے بھجوا دینا چاہیے تاکہ ان سے جوتے بنوائے جائیں یا ان سے بوٹ اور گرگابیاں تیار کرائی جائیں یا ان سے کیڑے سلانے جائیں یا ان کو لوگوں کے بال کاٹنے پر مقرر کیا جائے اور اگر یہ لوگ اس قسم کا کام کرنے کیلئے تیار نہ ہوں تو پھر ان کا کھانا پینا بند کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ لوگ نکمے اور قوم پر بار ہیں۔ کیونسٹ نظام تصویر بنانے کو کام قرار دیتا ہے وہ سٹیچو (Stitcher) بنانے کو کام قرار دیتا ہے

مگر وہ روح کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا بلکہ اسے نکمپن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ روٹی ہی انسان کا پیٹ نہیں بھرا کرتی اور صرف غذا ہی اس کے اطمینان کا موجب نہیں ہوتی بلکہ ہزاروں ہزار انسان دنیا میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کو عبادت سے روک دو تو وہ کبھی بھی چین نہیں پائیں گے خواہ ان کی غذا اور لباس کا کس قدر خیال رکھا جائے۔

کیونزم کا کام کے متعلق عجیب و غریب نظریہ | تعجب ہے کہ کمیونسٹ نظام چھ گھنٹہ فیکٹریوں میں کام کر کے سینما اور ناچ گھر میں جانے والے اور شراب میں مست رہنے

دے کو کام کرنے والا قرار دیتا ہے۔ وہ فوٹو گرافی اور میوزک کو کام قرار دیتا ہے۔ مگر وہ روح کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا۔ پچھلے دنوں مارشل مالی نووسکائی (Molin Novosky) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے لڑکے کس کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ تو اس نے پستے ہوئے کہا کہ :-

"They are intrested in Photography, Music and Keeping rabbits."

گویا کمیونزم نظام میں ایک پندرہ سال کا بچہ جو فوٹو گرافی میں اپنے وقت کو گزار دیتا ہے۔ جو میوزک میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ جو خرگوشوں کو پال پال کر ان کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے۔ اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے روٹی دی جائے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسیح۔ موسیٰ۔ کرشن۔ بدھ۔ زرتشت۔ گوردانک۔ یہ اگر خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں تو وہ جاہل کہتے ہیں کہ یہ (نحوذ باللہ من ذالک) پیراسائیٹس (Parasites) ہیں۔ یہ سوسائٹی کو ہلاک کرنے والے جراثیم ہیں۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو کام کرنے والا قرار دیا جائے حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دن کو بھی کام کیا اور رات کو بھی کام کیا۔ انہوں نے دن کو دن نہیں سمجھا اور راتوں کو رات نہیں سمجھا۔ تعلیم کو انہوں نے اپنے اذہر حرام کر لیا اور اٹھارہ گھنٹے بنی نوع انسان کی علمی اور اخلاقی اور روحانی اصلاح کے سب سے کام کیا۔ مگر یہ لوگ ان کے نزدیک نیکے اور قوم پرست تھے۔ وہ سینما میں اپنے رات اور دن بسر کرنے والے تو کام کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو دن کو بنی نوع انسان کی اصلاح کا کام کرتے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے یہ کوئی کام کرنے والے نہیں تھے۔ وہ لوگ جو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ جو اخلاق کو

درست کیا کرتے تھے۔ جو ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دنیا میں نیکی پھیلاتے اور بدی کو مٹاتے تھے وہ تو نیکے تھے اور یہ سنیما میں جانے والے اور شرابی پی پی کرنا چنے والے اور بالنسریاں منہ کو لگا کر بیٹیں کرنے والے کام کرنے والے ہیں۔

سچے مسلمان کیلئے غیرت کا مقام

غرض جہاں تک واقعات کا سوال ہے کمیونسٹ نظام میں ان لوگوں کی کوئی جگہ نہیں ہیں دوسری دنیا کو نہیں جانتا مگر میں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نظام جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نہیں خدا کی قسم اس میں میری بھی جگہ نہیں ہم اسی ملک کو اپنا ملک اور اسی نظام کو اپنا نظام سمجھتے ہیں جس میں ان لوگوں کو پہلے جگہ ملے اور بعد میں ہمیں جگہ ملے۔ وہ ملک اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بند ہے تو یقیناً ہر سچے مسلمان کے لئے بھی بند ہے و حقیقت پر پردہ ڈال کر مذاہب پر عقیدت رکھنے والوں کو اس نظام کی طرف لاسکتے ہیں مگر حقیقت کو واضح کر کے کبھی نہیں لاسکتے۔ کمیونسٹ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم کسی مذہب کے خلاف نہیں ہیں۔ مگر جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے یہ بات درست نہیں۔ وہ لفظ خلاف نہیں لیکن عملاً خلاف ہیں اور جبکہ حالات یہ بتا رہے ہیں کہ وہ مذہب کی کوئی حیثیت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں تو یہ کہنا کہ ہم مذہب کے خلاف نہیں ہیں جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

مذہبی تعلیم میں روک ڈالنے کیلئے مختلف ذرائع کا استعمال

اس سلسلہ میں ضمناً یہ بات بھی کہے جانیکے قابل ہے کہ روس میں مذہبی تعلیم میں روک ڈالی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ ماں باپ کا یہ ہرگز حق نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو مذہبی باتیں سکھائیں اور پیدا ہوتے ہی اس کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالتی شروع کر دیں جن کے نتیجہ میں وہ مذہب کی طرف مائل ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بچے پر کتنا برا ظلم ہے کہ اسے پیدا ہوتے ہی ایک مسلمان اسلام کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک ہندو ہندو مذہب کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایک عیسائی مذہب کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے انھوں نے اس کا طریق یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو۔ تو بلوغت تک اسے مذہب کی کوئی بات سکھائی نہ جائے۔ دوسری طرف ہم بھی اسے کوئی بات نہیں بتائیں گے جب وہ بڑا ہوگا تو خود بخود فیصلہ کر لیگا کہ اسے کونسا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ اب بظاہر یہ ایک منصفانہ طریق نظر آتا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ برا بھاری ظلم اور تشدد ہے۔ اس لئے کہ اسلام یا عیسائیت یا ہندومت یہ سب مثبت مذاہب ہیں۔

یہ دعوے کرتے ہیں کہ فلاں خسلاں چیز کا وجود ہے۔ لیکن دہریہ یہ کہتے ہیں کہ اس چیز کا وجود نہیں ہے۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ سکھانے کی تو مثبت دالے کو ضرورت ہوتی ہے منفی دالے کو کیا ضرورت ہے پس یہ مساوات نہیں بلکہ دھوکے بازی ہے اور فریب کاری ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ بچوں کو تم بھی کچھ نہ سکھاؤ اور ہم بھی کچھ نہیں سکھائیں گے تو دوسرے لفظوں میں اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ ہم تو سکھائیں گے مگر تمہاری کوئی بات بچے کو سیکھنے نہیں دینگے۔ اب بتاؤ کیا کوئی بھی معقول آدمی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ منصفانہ طریق ہے یہ تو صریح یکطرفہ طریق ہے اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے باپ کے پاس جا اور اسے کہے کہ آپ بچے کو یہ نہ بتائیں کہ میں تمہارا باپ ہوں اور میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ اُس کے باپ نہیں ہیں اب بتاؤ اس کے نتیجے میں بچہ کیا سیکھیں گا۔ یہی سمجھیں گے کہ وہ اُس کا باپ نہیں ہے۔ یا ایک شخص مدرسہ میں جا کر استاد سے کہے کہ آپ بچے کو یہ نہ بتائیے کہ یہ الفت ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ یہ الفت نہیں۔ آپ بچہ کو یہ نہ بتائیے کہ یہ بتاؤ ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ یہ بتاؤ نہیں۔ بتاؤ اس کے نتیجے میں الفت بتاؤ کا علم پیدا ہوگا یا جہالت پیدا ہوگی۔ یا ایک شخص کسی کے پاس جائے اور کہے کہ تم بچے کو یہ نہ بتاؤ کہ امریکہ ایک ملک ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ امریکہ ملک نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ آخر کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسے امریکہ کا علم نہیں ہوگا بغرض کوئی بھی معقول آدمی اس سودے کو انصاف کا سودا نہیں کہہ سکتا اور اُس کی وجہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہ ہے کہ مذہب مثبت ہے اور دہریت اگنا مٹرم ہے یعنی نہ جاننے کا دعوے۔ تعلیم کی نفی کی صورت میں اگنا سٹک کا مدعا پورا ہو گیا اور نقصان صرف مثبت دالے کو ہوا۔ پس یہ مساوات نہیں بلکہ دھوکے بازی ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو قرآن کے ذریعہ وہ علوم سکھائیں گے جن کو وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا۔ پس جبکہ اسلام دعویٰ ہی یہ کرتا ہے کہ ہم وہ علوم تمہیں بتائیں گے جو اس سے پہلے تم نہیں جانتے تھے تو اگر تم کسی کو وہ علوم بتانے ہی نہیں دو گے تو تم ایک مسلمان کے برابر کس طرح ہو گے۔ تم تو اس بے علم کو اس حالت میں لے گئے جو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی حالت تھی اور مسلمان کو اس کے کام سے محروم کر دیا۔ اسی طرح بعض اور بھی سوالات ہیں جو اب مجاہد پیدا ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ میں اس وقت اُن سیاسی۔ علمی

اور مذہبی سوالوں کو جو اقتصادیات سے جدا ہیں نہیں چھو رہا۔ اس لئے میں ان کا ذکر نہیں کرتا۔

مکمل مساوات ناممکن ہے | کمیونسٹ اقتصادیات کا جو نرندراہمب پر پڑتا ہے اس کی خرابیاں بتانے کے

بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ یہ نظام عقلاً بھی ناقص ہے۔ پوری مساوات کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا۔ صرف روپیہ ہی تو انسان کی خوشی کا موجب نہیں ہوتا نہ صرف روٹی اس کا پیٹ بھرتی ہے۔ مگر پھر بھی سوال یہ ہے کہ کیا ہر شخص ایک سی روٹی کھاتا ہے۔ کیا ہر شخص ایک سامرہ کھانے سے حاصل کر سکتا ہے۔ کیا ہر شخص کی نظر ایک سی ہے۔ کیا ہر شخص کی صحت ایک سی ہے اور کیا ان امور میں مساوات پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہ چیزیں بھی تو انسان کا آرام بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ذہنی قابلیتیں کس قدر تسلی کا موجب ہوتی ہیں مگر دنیا میں کیا کوئی گورنمنٹ ان ذہنی قابلیتوں میں مساوات پیدا کر سکتی ہے رشتہ داروں کی حیات انسان کے اطمینان قلب کا کس قدر موجب ہوتی ہے مگر کیا کوئی رشتہ داروں کی زندگی کا بیمہ لے سکتا ہے۔ کیا کوئی گورنمنٹ کہہ سکتی ہے کہ میں اس رنگ میں مساوات قائم کر دیتی۔ کہ آئندہ تیری بیوی بھی اتنے سال زندہ رہے گی اور فلاں شخص کی بیوی بھی اتنے سال زندہ رہے گی۔ یا زید کے بھائی بھی اتنا عرصہ جیتے رہیں گے اور بکر کے بھائی بھی اتنا عرصہ زندہ رہیں گے۔ اور پھر اولاد کا وجود اور ان کی زندگی انسان کے لئے کس قدر تسلی کا موجب ہوتی ہے۔ مگر کیا دنیا کی کوئی بھی گورنمنٹ ایسا کر سکتی ہے کہ سب کے ہاں ایک جتنی اولاد پیدا ہو۔ سب کی ایک جیسی قابلیت ہو۔ اور سب کی ایک جتنی زندگی ہو۔ پھر رشتہ داروں کے دکھ سے انسان کو کیسا عذاب ہوتا ہے۔ تم ہزار پلاؤ اور فریاں سامنے رکھ دو وہ ماں جس کا اکلوتہ بچہ مر گیا ہے اُسے ان کھانوں میں کوئی مزا نہیں آئے گا۔ لیکن وہ ماں جس کے سینہ سے اُس کا بچہ چٹا ہوا ہو۔ اُسے جو مزا باسی روٹی کھانے میں آتا ہے وہ اُس بڑے سے بڑے مالدار کو بھی نہیں آتا جس کے سامنے بارہ یا چودہ ڈشوں میں مختلف قسم کے کھانے پک کر آتے ہیں۔ رشتہ داروں کے متعلق انسانی جذبات کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتداء میں جب بالشو یک اور منشو یک دو پارٹیاں بنیں۔ تو مارکس و جو لینن کی طرح اپنی پارٹی کا مقتدر تھا اُس نے کہا کہ ہمیں اپنے قوانین میں یہ بھی لکھ لینا چاہیے کہ آئندہ ہماری حکومت میں پھانسی کی سزا کسی کو نہیں دی جائے گی کیونکہ انسانی جان لینا درست نہیں اور

لوگ بھی اس سے متفق تھے اور وہ چاہتے تھے کہ پھانسی کی سزا کو اڑا دیا جائے مگر لیٹن نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ گواہوں کی بات درست ہے مگر اس وقت اگر یہ بات قانون میں داخل کر دی گئی تو زار کو پھانسی پر لٹکایا نہیں جاسکیگا۔ پس خواہ صرف زار کی جان لینے کیلئے اس قانون کو جاری رکھنا پڑے تب بھی یہ قانون ضرور قائم رہنا چاہیے ورنہ زار کو پھانسی پر لٹکایا نہیں جاسکیگا لیٹن کی زار سے یہ انتہا درجہ کی دشمنی جسکی وجہ سے اس نے پھانسی کی سزا کو منسوخ نہ ہونے دیا محض اس وجہ سے تھی کہ اس کے بھائی کو زار سٹ حکومت نے کسی جرم میں پھانسی پر لٹکایا تھا لیٹن کے دل میں اپنے بھائی کی شدید محبت تھی۔ اسلئے اس نے چاہا کہ پھانسی کا قانون قائم رہے تاکہ وہ اپنے بھائی کی موت کا بدلہ زار سے لے سکے اور اسے پھانسی پر لٹکا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کر سکے غرض رشتہ داہل کا دکھ بھی اتنا سخت ہوتا ہے کہ روٹی کا دکھ اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ مگر کیا کوئی بھی گورنمنٹ اس میں مساوات قائم کر سکتی ہے اور کیا کوئی شخص کسی گورنمنٹ سے اپنے رشتہ داہل کی زندگی کا بمیہ لے سکتا ہے۔ پس دل کا چین اور حقیقی راحت بغیر مذہب اور خدا تعالیٰ سے تعلق کے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ امور اسی کے اختیار میں ہیں تم روٹی بے شک برابر کی دیدہ کپڑا بے شک یکساں دیدہ لیکن انسان کو حقیقی چین اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک اس کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو۔ کیونکہ روٹی کپڑے کے علاوہ ہزاروں چیزیں ہیں جن کی کمی مٹی سے دل کا چین جاتا رہتا ہے اور ان کا دینا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

(۲) زمین زار کے زمانہ میں صنعتی ملک نہ تھا بلکہ بڑے بڑے زمینداروں کا ملک تھا۔ اسلئے کیونززم کو براہ راست تعلق زمینوں سے تھا۔

کیونززم کی حق ملکیت میں دخل اندازی نہ کہ صنعت سے۔ کارل مارکس نے اگر سرمایہ داری پر کچھ لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جرمنی میں پلا اور وہیں کی یونیورسٹی میں اس نے تعلیم پائی لیٹن وغیرہ نے جب اس کے فلسفہ کو اپنایا تو اس کی تعلیم سرمایہ داری کو زمینداری طریق چسپاں کرنے کی کوشش کی اور یہ اصول مقرر کیا کہ (۱) زمین حکومت کی ہے (۲) اس لئے ملک کی سب زمینوں کو لے کر اس آبادی میں جو خود زمیندارانہ کام کرے زمین تقسیم کر دینی چاہیے (۳) جس قدر زمین میں کوئی ہل چلا سکے اسی قدر زمین اس کے پاس رہنے دینی چاہیے اس سے زائد نہیں (۴) چونکہ زمین حکومت کی ہے اسلئے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ کاشتکار چونکہ حکومت کا نمائندہ ہے اسے کاشت کے

بارہ میں حکومت کی دخل اندازی کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

اسلام میں حق ملکیت

اسلام کی تعلیم جس کے اصول پہلے بتائے جا چکے ہیں اس بارہ میں یہ ہے۔ کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حق ملکیت کو جو جائز طور پر ہوتا تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کو اپنی اولاد میں مندرجہ تقسیم کرے (رٹکے کا ایک حصہ لڑکی کا نصف حصہ اور ولدین کا $\frac{1}{4}$) اور کسی ایک بچے کے پاس نہ رہنے دے۔ اگر اولاد نہ ہو تب بھی وہ ماں باپ اور بہن بھائیوں میں تقسیم ہو۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نمائندہ حکومت کے پاس وہ زمین لوٹ جائے۔ نہ تو کوئی شخص اپنی جائیداد کو وصیت میں نہیں دے سکتا۔ لیکن یہ $\frac{1}{4}$ حصہ وارثوں میں سے کسی کو نہیں دیا جاسکتا کیسے قدرت پر حکمت یہ تعلیم ہے (۱) بوجہ ملکیت کو تسلیم کرنے کے۔ ہر شخص جس کے پاس زمین ہوگی اُسے بہتر طور پر کاشت کریگا کیونکہ اُسکے گزارہ کا مدار اس زمین پر ہوگا (۲) اُس کے بچے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس زمین پر کاشت کریں گے اس فن میں مہارت پیدا کریں گی کوشش کریں گے (۳) اگر زمین بستی طور پر زیادہ بھی ہوگی تو تقسیم وراثت کے ذریعہ سے لازماً کم ہوتی چلی جائیگی (۴) چونکہ اسلام زمین کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اس لئے ناجائز طور پر بہت سی زمین کسی کے پاس نہیں جاسکتی ناجائز سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے نظاموں میں مفتوحہ ملکوں کی زمین بادشاہ کے ساتھیوں یا بادشاہ کے ہم قوموں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اسی نظام کی وجہ سے نارمنڈی کے بادشاہوں نے انگلستان سکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ کے بعض علاقوں کی زمینیں چند امراء میں تقسیم کر دیں اور باقی سب لوگ بغیر زمین کے رہ گئے جتنی کہ لوگوں کو مکان بننے کیلئے بھی زمین نہ ملتی تھی بلکہ پرانے قانون کے ماتحت لوگ مکانوں تک کیلئے امراد سے زمین نہ خرید سکتے تھے اور آخر لمبے مفاطع کی صورت میں زمینوں کی خرید و فروخت کا طریق جاری ہوا۔ لیکن پھر بھی بہت نصیبات کی عمارتیں بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہیں جو لوگوں کو گراہ پر دیکر اپنا تصرف لوگوں پر قائم رکھتے ہیں۔ فرانس میں بھی اور جرمنی اور آسٹریا میں بھی ایک حد تک ایسا ہی ہوا۔ اٹلی میں بھی ایک بے عرصہ تک یہی حال رہا۔ اور نپولین کی جنگوں کے بعد کسی قدر اصلاح ہوئی۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی ترقی میں بھی بڑے زمینداروں کی ایک جماعت اسی طرح پیدا ہو گئی کہ پرانے باشندوں کی زمین کے جتنے وسیع رقبہ پر کوئی قبضہ کر سکا اس نے قبضہ کر لیا۔ آسٹریلیا میں بھی ایسا ہوا۔ وکٹوریا کالونی میں بھی اسی طرح ہوا کہ بعض بعض انگریزوں نے لاکھ لاکھ

بکٹر پر قبضہ کر لیا اور پرانے باشندوں کو محروم کر دیا۔

مفتوحہ علاقہ کی زمین پر قبضہ کرنے کے متعلق اسلام کا بہترین نمونہ

اس کے مقابل پر اسلامی فتوحات میں عرب میں تو فاتحین کو افتادہ زمینوں میں سے کچھ حصہ دیا گیا کیونکہ عرب میں تو زمین ہی کم ہے اس لئے وہ ناجائز طور پر بڑے زمیندار نہیں ہو سکتے تھے لیکن یمن اور

شام میں جو پرانے زمیندار تھے انہیں کے پاس زمین رہنے دی گئی۔ عراق کا علاقہ چونکہ غیر آباد تھا اور ایرانی اسلام کی فتح پر اس علاقہ کو چھوڑ گئے تھے اور یہ علاقہ دو دریاؤں کے درمیان میں ہے اس لئے وہاں بہت سی افتادہ زمین مسلمانوں کو ملی مگر باوجود اس کے کہ شکر اسلام کے بعض جرنیلوں نے اس وقت کے عام دستور کے مطابق اس زمین کو جو افتادہ اور سرکاری تھی فاتحین میں بانٹنے کی کوشش کی حضرت عمرؓ نے اس بنا پر تقسیم کرنے سے انکار کیا کہ اس سے آئندہ نسلوں اور عامۃ الناس مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔ اور اسے گورنمنٹ کی ملکیت ہی رہنے دیا گیا۔ اسی طرح مصر میں بھی زمین وہاں کے سابق باشندوں کے پاس رہنے دی گئی بغرض اسلامی نظام کی جو تعبیر ابتداء اسلام میں کی گئی اس میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ افتادہ زمین کو بھائے امراء میں بانٹ دینے اور بڑے زمینداروں کی جماعت تیار کرنے کے جیسا کہ یورپین نظام کے ماتحت ہوا ہے حکومت کے قبضہ میں رکھنا چاہیے تاکہ آئندہ نسل اور آبادی کی ترقی پر سب ملک کی ضرورت کا انتظام ہو سکے جس کی وجہ سے اسلامی نظام کے ماتحت بڑی زمینداروں کا قیام عمل میں نہیں آیا۔ گو بعد میں اسلام کی تعلیم پر پورا عمل نہیں ہوا پھر بھی اسلامی تعلیم کے اثر سے مسلمان بادشاہ پوری طرح آزاد نہیں ہوئے اور ہندوستان میں جب اسلامی حکومت آئی تو یہاں بھی یہی فیصلہ کیا گیا کہ مقبوضہ زمینیں پرانے باشندوں کے قبضہ میں رہنی چاہئیں اور افتادہ زمین حکومت کے قبضہ میں اور ہندوستان کی بڑی زمینداریاں سب کی سب انگریزی زمانہ کی پیداوار ہیں جب انگریز آئے تو انہوں نے اپنے نظام کی مہولت کیلئے پرانے تحصیلداروں یا دیوانہوں کو ان کے علاقوں کا مالک قرار دیکر بنگال اور پوپی میں بڑے زمینداروں کی جماعت قائم کر دی حالانکہ یہ لوگ اصل میں صرف تحصیلدار تھے۔ اس لئے نظام کے ماتحت غریب زمینداروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا گیا۔

غرض اسلامی نظام زمینداروں کے متعلق بھی ویسا ہی مکمل ہے جیسا کہ دوسرے اقتصادی امور میں۔ اس میں بڑے زمینداروں کی جگہ نہیں یعنی حکومت ملکی زمینوں سے بڑے زمیندار نہیں بنا سکتی۔ ہاں کوئی شخص زمین خرید کر اپنی زمین کچھ

بڑھالے تو اور بات ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ زمین خرید کر بڑھانا معمولی کام نہیں کیونکہ جس روپیہ سے زمین خریدی جائیگی وہ اگر تاجر کا ہے تو وہ تجارت کے زیادہ فائدہ کو زمین کی خاطر نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر وہ دھیمہ زمیندار کا ہے تو بہر حال محدود ہو گا۔ زمیندار کی کمائی سے حاصل کردہ روپیہ سے خریدی ہوئی زمین کبھی بھی کسی زمیندار کو اتنا نہیں بڑھنے دے گی کہ وہ ملک کی اقتصادی حالت کو خراب کر سکے۔ پھر تقسیم وراثت کے ذریعے اس کی زمین کو بھی ایک دو نسلوں میں کم کر دیا جائیگا۔

اسلام کی کمیونزم کے مقابل پر
بڑی زمینداروں کو مثالی بہترین سکیم

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی قانون کے مطابق کسی شخص کو خواہ وہ بے اولاد ہی کیوں نہ ہو ۱۰ سے زائد کی وصیت کرنی جائز نہیں پس اگر کوئی شخص صاحب اولاد ہو گا تو اس کی زمین تقسیم ہو کر کم ہوتی جائیگی اور اگر وہ اپنے خاندان کی دھابت کے قیام کے لئے ۱۰ اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا چاہے گا تو اس کی اسلام اسے اجازت نہ دیگا۔ کیونکہ وصیت وارثوں کے حق میں اسلام جائز نہیں قرار دیتا۔ غیر وارثوں کے حق میں جائز قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح زمین کو تقسیم سے روک کر بڑی زمینداروں کے قیام کو ناممکن بنا دیتا ہے اور اگر کوئی لاوارث ہو تو اسلام اسے بھی صرف ۱۰ حصہ کی وصیت کی اجازت دیتا ہے۔ باقی زمین اس کی گورنمنٹ کے پاس چلی جائیگی۔ اور اس طرح پھر ملک کے عوام کے کام آئیگی۔

اس نظام میں یہ خوبی ہے کہ بڑے زمیندار جو نسلوں تک دوسروں کیلئے روک بن کر کھڑے رہیں اس کے ماتحت نہیں بن سکتے۔ مگر اس کے ساتھ ہی شخصی آزادی میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ اور ذہنی ترقی عالمی ہمدردی اور ایسے نیک کاموں میں حصہ لینے کا راستہ کھلا رہتا ہے جن کو انسان اپنی عاقبت کی درست کیلئے ضروری سمجھے۔ اس کے برخلاف کمیونزم نے جو تجاویز اپنے نظام کے لئے پسند کی ہیں وہ شخصی آزادی کو کچلنے والی، عالمی ہمدردی کو مٹانے والی اور دین کی خدمت سے محروم کرنے والی ہیں۔ اور پھر ان کے جاری کرنے میں وہ کئی طور پر ناکام رہی ہے۔

کمیونزم نے زمین کے متعلق یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ زمین سب کی سب ملک کی ہے اور اسلئے حکومت کی ہے۔ اس طرح سب زمینداروں کو انہوں نے مزدور بنا دیا۔ حالانکہ تاجر اپنی جائیداد کا جو سامان کی صورت میں جو ایک حد تک مالک سمجھا جاتا ہے۔ اپنے مقرر کردہ اصل کو عملی شکل دینے کے لئے کمیونزم نے یہ فیصلہ کیا کہ

چونکہ زمین حکومت کی ہے اس لئے حکومت کو اختیار ہے کہ وہ جہاں جو چیز پونا مناسب سمجھے زمیندار کو اُسی کے ہونے پر مجبور کرے اور چونکہ زمیندار اپنے تجربہ کی بنا پر خاص خاص اجناس کے ہونے میں ماہر ہوتے ہیں اسلئے یہ بھی اصل تسلیم کیا کہ زمینداروں کو انکی قابلیت کے مطابق جس علاقہ میں چاہے بھجوا دے۔ جب اس نظام کو اس کی تمام تفصیل کے مطابق ملک میں رائج کیا گیا تو زمینداروں نے محسوس کیا کہ (۱) انکو محض مزدور کی حیثیت دیدی گئی ہے اور عام تاجر اور صناع سے بھی ان کا درجہ گرا دیا گیا ہے (۲) ان کے عائلی نظام کو تہ وبالا کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ زمین کو عمدہ بنانے میں جو بھی محنت کریں انکی نسل ان کی محنت فائدہ اٹھانے سے روک دی جائیگی (۳) ان کو ہر وقت اپنے وطنوں سے بے وطن ہونے کا خطرہ ہوگا (۴) وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات زمین سے پیدا نہ کر سکیں گے بلکہ وہی اشیاء بوسکینگے جن کی حکومت انہیں اجازت ہے اور اس طرح ان کا وہ پرانا نظام جس کے ماتحت وہ اپنے گاؤں اور قصبہ میں مکمل زندگی بسر کر رہے تھے تباہ ہو جائیگا۔ ان حالات کو دیکھ کر انہوں نے بغاوت کردی اور سالہا سال تک روس میں زمینداروں کی بغاوت زور پر رہی اور اجناس کی پیداوار بہت کم ہو گئی۔ آخر موسیو سٹالن نے اس نظام کو منسوخ کر کے پرانے نظام کو پھر قائم کیا۔ زمینداروں کو ان کی زمینوں کا مالک قرار دیا گیا اور فصل ہونے کے بارہ میں بہت حد تک انکو آزادی دیدی گئی۔ اس طرح بغاوت تو فرد ہو گئی لیکن خود بالشویک لیڈر کے فیصلہ کے مطابق کیونسٹ نظام کی غلطی پر مہر لگ گئی۔ چنانچہ موسیو سٹالن کے دشمنوں نے ان پر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ زمینوں کے متعلق لینن کے مقرر کردہ نظام کو انہوں نے توڑ کر کمیونزم سے بغاوت کی ہے اور موسیو سٹالن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل نصب العین کمیونزم کا عوام کی حکومت ہے سوائے نصب العین کے حصول کیلئے اگر دوسرے اصول بدل دیئے جائیں تو اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں مگر بہر حال ان کے جواب سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ کمیونزم ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت میں کم سے کم زمینوں کے متعلق اقتصادی نظام قائم کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے اور خود اس کے لیڈروں نے اسے تسلیم کر لیا ہے کہ اس کے اصول بطور ایک فلسفہ کے جاری نہیں کئے جاسکتے بلکہ حسب ضرورت ان میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ اور کمیونزم کے سوا دوسرے اصولوں کی مدد سے ملک اور قوم کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کے کامیاب اقتصادی نظام کے مقابل پر یہ زبردست ناکامی اسلامی تعلیم کی برتری کا ایک

بین ثبوت ہے اور اس بات کا ثبوت بھی کہ کمیونزم کوئی اصولی فلسفہ نہیں بلکہ محض ایک سیاسی تحریک ہے جسکی اصل غرض روس کو طاقت ور بنانا ہے اور اُسے مذہب کے مقابل پر کھڑا کرنا سچائی اور دیانت کا سنہ چرانا ہے چنانچہ سٹیفن انگل حال میں سو پارلیمنٹ انگلستان حال ہی میں روس میں دورہ کر کے آئے ہیں۔ ان کا ایک مضمون "SOVIET UNION" مہ جون میں چھپا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ روس کے اس وقت دو بڑے مقصد ہیں۔ (۱) روس کو از سر نو تعمیر کرنا (۲) روس کو دنیا میں سب سے بڑا سب سے اچھا سب سے زیادہ مالدار قوم بنانا۔ (دیکھو SOVIET UNION NEWS. Vol. 6, No. 5) پس کمیونزم محض ایک سیاسی تحریک ہے اور اس کی اصل غرض روس کو طاقتور بنانا ہے۔

کمیونزم تحریک کے نتیجہ میں علمی ترقی کی بندش

(۳) تیسرا نقص کمیونزم میں یہ ہے کہ اس نظام کی وجہ سے جو کمیونزم نے قائم کیا، گورڈی کپڑا ملتا ہے مگر اس کا ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے آئندہ علمی ترقی بالکل رک جائیگی۔ اس لئے کہ روٹی اور کپڑے کے لئے جتنا روپیہ ایک شخص کو ملتا ہے وہ اتنا ناکافی ہوتا ہے کہ اس میں سفر کرنا اور دنیا میں پھرنا ایک کیونسٹ کے لئے بالکل ناممکن ہے جب تک مدھیوں کو اقتصادیات میں حریت شخصی حاصل تھی وہ اپنے روپیہ کا ایک حصہ مختلف سفروں کیلئے رکھ لیتے تھے وہ دنیا میں پھرتے تھے۔ مختلف ملکوں اور قوموں میں گھومتے تھے۔ غیر اقوام سے ملکر ان کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ اور پھر ان معلومات خود فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسروں کے فائدہ کیلئے ان معلومات کو اپنے ملک میں شائع کر دیتے تھے اور ملک کے بوگ انکے معلومات سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی شاہراہ کی طرف پیسے سے زیادہ تیزی کے ساتھ قدم بڑھانے لگتے تھے۔ یہی حقیقتی مدرسہ ملکوں کی علمی ترقی کے لئے قانون قدرت نے قائم کیا ہے اور اس سے پڑھ کر قومیں ترقی کی طرف قدم اٹھاتی چلی آئی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی بار بار مختلف ملکوں کی سیر اور ان کے حالات دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نقطہ نگاہ وسیع نہیں ہوتا اور مختلف ممالک کے علوم کا آس میں تبادلہ نہیں ہوتا۔ اگر اب کیونسٹ سسٹم کی وجہ سے ان کا لوگوں سے ملنا۔ دنیا کے حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف ممالک میں پھرنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے اور یہاں جہاں کمیونزم پھیلے گی یہی نتیجہ دیاں بھی پیدا ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم میں ذہنی تنزل واقع ہو جائیگا۔ کیونسٹ گورنمنٹ

کا کوئی نمائندہ تو دوسرے ملکوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر کمیونسٹ خیالات کے کسی عام روسی کی شکل دیکھنا اب
 لوگوں کے لئے ایسا ہی ہو گیا ہے جیسے ہمارا کی تلاش ہوتی ہے۔ مجھے وسیع ذرائع حاصل ہیں مگر اب تک مجھے بھی
 کسی آزاد روسی کمیونسٹ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ہاں حکومت کے نمائندے مل جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات
 کا کہ لوگوں کے پاس کوئی زائد روپیہ رہنے ہی نہیں دیا جاتا۔ روٹی اور کپڑے کی ضروریات کے علاوہ جو کچھ ہوتا
 ہے حکومت لے جاتی ہے اور لوگ بالکل خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب حکومت اپنے نمائندے
 باہر بھیجا دیتی ہے تو ان کے ذریعہ سے غیر ملکی خیالات اور ایجادات ملک میں آسکتی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں۔
 کیونکہ (۱) اول حکومت کا نمائندہ انہی باتوں کے اخذ کرنے پر مجبور ہے جن کے لئے حکومت اسے بھیجوائے (۲)
 انسانی ذہنوں اور میلانوں میں بے انتہا فرق ہے۔ کسی شخص کا اپنے شوق سے جانا اور اپنے میلان کے مطابق ایک
 بات کو اخذ کرنا یہ بالکل مختلف ہے اس سے کہ حکومت خود بخود کسی شخص کو بھیجوائے ایسا منتخب کردہ شخص ہر میلان
 والے گروہ کی ترقی کا سامان پیدا نہیں کر سکتا۔ (۳) خود مختلف ممالک کے لوگوں کا کثرت باہم ملنا انسانی
 دماغ کی ترقی اور صلح اور امن اور اتحاد کے پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اس نظام کی وجہ سے اس کا راستہ
 بالکل مسدود کر دیا گیا ہے۔ اسوقت جو آزاد روسی باہر ملتے ہیں وہ یا تو کمیونزم کے مخالفت میں جو اپنے ملک کو
 چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں یا وہ کمیونسٹ ہیں جو حکومت کی طرف سے پروپیگنڈا کیلئے مقرر ہیں۔ لیکن اپنے اثر
 کو وسیع کرنے کے لئے غیر ملکوں میں جا کر جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ آزاد روسی ہیں اور حکومت سے انکا کوئی تعلق نہیں
 کیونکہ جب زائد روپیہ عوام کے پاس ہوتا ہی نہیں تو وہ دور دراز کا سفر کس طرح کر سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا۔ کراچی
 سے لاہور آتے ہوئے مجھے ایک دوست بتایا کہ ایرکنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں ایک روسی ہے جو اپنے آپکو
 آزاد میساج بتاتا ہے اور کمیونزم کی تائید میں بہت کچھ پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ میں نے اس دوست سے کہا کہ
 اس سے کہو کہ تمہارا آزاد روسی ہونے کا دعویٰ سرسبز جھوٹا ہے۔ تمہارے نقطہ نگاہ سے میں ایک برا زمیندار
 ہوں۔ مگر میں سیکنڈ میں سفر کر رہا ہوں۔ تمہارے ہاں تو بڑے زمیندار ہوتے ہی نہیں۔ تم ایک کسان ہو کہ
 یا مزدور جو کس طرح اتنے دور دراز علاقہ کا سفر اس عیاشی کے ساتھ کر رہے ہو۔ اگر تمہارا مزدور یا
 کسان ایرکنڈیشنڈ کمرہ میں ہزاروں میلوں کا سفر کر رہا ہے تو ہندوستان کے ان لوگوں کے خلاف

تہارا جوش کس مر پر مبنی ہے جو تم سے بہت کم آرام حاصل کر رہے ہیں اور جنکا حال درحقیقت تمہارا مزدور کا سا ہے۔ تم سے جو درحقیقت حکومت کے گماشتے ہو ان کو کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ تمہاری دولت اور ان کے گزارہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۴) چوتھا نقص اس نظام میں یہ ہے کہ جب بھی اس میں خرابی پیدا ہوتی اور اس تحریک پر زوال آیا ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم ہوگی اور نتائج پہلے سے بھی خطرناک ہو جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نظام میں قابلیت کو مٹا کر دماغ کو

کمپوزم نظام قائم رکھنے کیلئے سونے کی ضرورت

ضائع کر دیا گیا ہے اسلئے جب بھی تنزل ہوگا یہ تحریک کلی طور پر گر جائیگی اور خلا کو پُر کرنے کیلئے سوائے ڈکٹیٹر کے اور کوئی چیز میسر نہ آئیگی۔ جرمنی نے اگر ہٹلر کو قبول کیا تو کمیونسٹ میلانات کی وجہ سے جو جرمنی میں شدت سے پیدا ہو رہے تھے۔ فرانس کا تجربہ بھی اس پر گواہ ہے جب فرانس کے باغیوں میں تنزل پیدا ہوا تو اس کے نتیجہ میں پولین جیسا جبار پیدا ہو گیا۔ جمہور میں سے جمہوریت کا کوئی دلدارہ اس جگہ کو نہ لے سکا۔ اسی طرح بیشک کمپوزم اپنی حکومت کو پرولیٹیری ایٹ (Proletariate) کہہ لے یا اس کا نام (Totalitarianism)

ٹوٹیلی ٹیرین حکومت رکھ لے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظام چکر کھا کر ایک ڈکٹیٹر کی شکل اختیار کر لیگا۔ بلکہ اس وقت بھی عملی رنگ میں یہی حالت ہے کیونکہ گو یہ لوگ اقتدارِ عوام کے حامی ہیں لیکن عملاً حکومت کا اقتدار عوام کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کرتے چنانچہ ردس میں ایک منٹ کے لئے بھی جمہوری حکومت قائم نہیں ہوتی بلکہ ڈکٹیٹر شپ ہی چلی جاتی ہے۔ نین پیل ڈکٹیٹر تھا۔ اب دوسرا ڈکٹیٹر سٹالن بنا ہوا ہے۔ سٹالن کے بعد شاید موسیو مولوٹوف ڈکٹیٹر بن جائیں گے اور جب مولوٹوف مرے تو کسی اور ٹوٹ یا خوف کی باری آجائیگی بہر حال اس قسم کے نظام کو سونے کی مدد کے سوا کبھی قابو میں نہیں رکھا جاسکتا اور دوس کا تجربہ اس امر پر شاہد ہے۔

(۵) پانچواں نقص کمپوزم کے اقتصادی نظام میں یہ ہے کہ اس میں سود کی ممانعت کو بطور فلسفہ کے اختیار نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں انفرادی سودی بنک نہیں ہیں۔ اس وقت تک مجھے اس بارہ میں کوئی تحقیقی علم نہیں اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن انفرادی سودی بنکوں کا نہ ہونا اور سود کو اصولی طور پر برا سمجھنا دونوں بالکل متباہن باتیں ہیں۔ انفرادی سودی بنک کا نہ ہونا سامان میسر نہ آنے کے سبب بھی ہو سکتا ہے۔

اور جنگ کے اصول سے عام بینک کی ناواقفیت کے سبب بھی ہو سکتا ہے مصلحت ذاتی کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے جب سامان میسر آجائیں یا بینک کا ترقی کرنے والا حصہ بینک سسٹم سے آگاہ ہو جائے۔ یا وقتی مصلحت بدل جائے تو انفرادی بینک ملک میں جاری ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قوم کسی بات کو اصولی طور پر برا سمجھتی ہے تو خواہ حالات بدل جائیں خواہ اس بات کا باریک اور عملی علم حاصل ہو جائے خواہ سامان کثرت سے ملتا ہوں وہ قوم اس بات کو بھی اختیار نہیں کریگی کیونکہ اس کا اس بات کو ترک کرنا اصولی بنا پر تھا نہ وقتی مشکلات یا وقتی مصالح کی بنا پر۔

غرض روس میں اگر افراد سے بین دین کرنے والے بینک نہیں ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کمپلزم کی جڑ کو جو سود ہے روس نے کاٹ دیا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ مجھے اس بارہ میں ذاتی علم نہیں لیکن ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ کمپلزم کے لٹریچر میں سود کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں اور یہ بات مجھے اس بات کا دعویٰ کرنے کا حق دیتی ہے کہ کمپلزم سود کی اصولی طور پر مخالف نہیں۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ روسی گورنمنٹ دوسری حکومتوں سے جو سود کے بغیر کوئی کام نہیں کرتیں روپیہ قرض لیتی ہے۔ اس امر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کمپلزم سود کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اس کے حق میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ سود کے حق میں نہ ہوتی تو سود پر قوم قرض کیوں لیتی۔ نیز موجودہ جنگ میں روس نے اپنے ملکی لوگوں سے بھی بہت روپیہ قرض لیا ہے۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ یہ روپیہ بھی سود پر ہی لیا گیا ہے۔

اگر میری یہ رائے درست ہے کہ کمپلزم سود کے خلاف نہیں بلکہ اس کے حق میں ہے اور بہت واقعات میری رائے کی تائید کرتے ہیں تو یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ روس میں سودی کاروبار کی کمی محض ایک وقتی امر ہے اور سابق نظام میں ایک غیر معمولی تغیر کا نتیجہ ہے لیکن جب کمپلزم لوگ روس سے باہر جانے لگیں گے تو وہاں کاروبار کیلئے وہ سود پر روپیہ لیں گے اور جب ملک زیادہ ترقی کریگا اور صنعت و حرفت اور زراعت ترقی کریں گے۔ تو یورپ کی دوسری اقوام کی طرح کمپلزم بھی ان کاموں کی ترقی کے لئے سود کا کاروبار کریں گے۔ اسی طرح جنگوں کو کامیاب طور پر چلانے اور وسیع صنعتی ترقی کے لئے سٹیٹ بینک کی شاخیں ملک میں کثرت سے کھولی جائیں گی اور آخر سود اسی طرح کمپلزم کو کمپلزم کی طرف لے جائیگا جس طرح دوسرے مغربی ممالک کو لے گیا ہے۔

(۶) چھانقش کمیونسٹ اقتصادی نظام کا جس کی وجہ سے کیپیٹلزم کچلا نہیں جاسکتا ایکسچینج (EXCHANGE) کے طریق کا جواز ہے۔ وہی تبادلاً سکے کا طریق جو بنکوں کی وجہ سے اور حکومتوں کے تداخل کی وجہ سے اس زمانہ میں جاری ہوا ہے کمیونزم بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایکسچینج ریٹ (یعنی دو ملکوں کے سکوں کی متبادل قیمتوں کی تعین) دو ملکوں کی تجارت کے طبعی توازن پر نہیں رہا بلکہ کمزور ملکوں کے مقابل پر تو بنکوں کے ہاتھ میں اس کی کنجی ہے اور طاقتور ملکوں کی شرح مبادلہ خود حکومتیں مقرر کرتی ہیں۔ اور قیمت کی تعین میں تجارت موجودہ کے علاوہ یہ غرض مد نظر ہوتی ہے کہ کس ملک سے کس قدر آئندہ تجارت کرنا اس حکومت کے مقصود ہے ہمیشہ شرح تبادلاً پر غریب ملک شور مچاتے رہتے ہیں لیکن چونکہ ان کے پاس جواب دینے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ موجود نہیں ہوتی اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح زبردست ملک کمزور ملک کو تجارتی طور پر کمزور کر دیتا ہے حالانکہ تبادلاً شرح ایک بناوٹی اصول ہے وہ اصول جس پر دو ملکوں کے تجارتی تعلقات کی بنیاد قائم ہونی چاہیے تبادلاً اشیاء ہے یا تبادلاً قیمت یعنی سونا چاندی۔ لیکن بجائے اشیاء کے تبادلاً یا سونے چاندی پر تجارت کی بنیاد رکھنے کے ایکسچینج ریٹ پر تجارت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے غیر متمدن ممالک بنکوں کے ہاتھوں پر پڑ گئے ہیں اور متمدن ممالک میں تجارت سیاست کے تابع چلی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایکسچینج کی وجہ سے تجارت میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور موجودہ زمانہ کی بڑھی ہوئی تجارت بغیر کسی آسان طریق تبادلاً کے سہولت سے جاری نہیں رکھی جاسکتی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ شرح تبادلاً کو سیاسیات کے تابع رکھا جائے اور کمزور ملکوں کے لوٹنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو سابق بارٹر سسٹم کو جس میں اشیاء کا اشیاء کے مقابلہ میں تبادلاً ہوتا ہے نہ کہ ایکسچینج ریٹ کے اصول پر ایسے طریق پر ڈھالا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق وہ ہو جائے اور حکومتوں کا دخل اس سے ہٹا دیا جائے۔ بلکہ مختلف ممالک کے تاجروں اور حکومت کے نمائندوں کے مشورہ سے وقتاً فوقتاً مختلف ممالک کیلئے ایکسچینج کا ایک ایسا طریق مقرر کیا جائے جس کا بنیادی اصول تبادلاً اشیاء ہونے کا غرضی رویہ کی معنوی قیمت پر۔

جرمنی نے گزشتہ جنگ کے بعد ایکسچینج (EXCHANGE) میں سیاسی دخل اندازی کر کے اپنے کاغذی پیسے کو

اس قدر سستا کر دیا کہ سب دنیا کی دولت اس طرف کھینچی گئی آئی اور جب کافی سرمایہ غیر ملکیوں سے تجارت کرنے کے لئے اُس کے پاس جمع ہو گیا۔ تو اُس نے اپنے کاغذی سکہ کو منسوخ کر دیا اور اس طرح تمام دنیا کے ممالک میں بہت کم خرچ سے بہت بڑی رقوم غیر ملکی سکوں کی اپنی آئندہ تجارت کے لئے جمع کر لیں۔ اگر بارٹر سسٹم (تبادلہ اشیاء) پر بین الاقوامی تجارت کی بنیاد ہوتی تو جرمنی اس طرح ہرگز نہ کر سکتا تھا۔ روس نے بھی جرمنی کی نقل میں ایک پیچ کو بہت گرا دیا۔ لیکن بوجہ جرمنی جیسا ہوشیار نہ ہونے کے اور بوجہ صنعتی تنظیم نہ ہونے کے اُس نے فائدہ نہ اٹھایا۔ درحقیقت مصنوعی شرح تبادلہ ایک ذبردستوں کا ہتھیار ہے جس سے وہ کمزور قوموں کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور غیر ملکی طریقوں سے تجارت برباد کو اپنی مرضی کے مطابق بدل دیتے ہیں۔

روس نے اس نظام کو تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح ملکی کیپٹلزم کی بنیاد کو قائم رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں جوں روسی صنعت و حرفت مضبوط ہوگی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس ہتھیار سے کام لیگی اور کمزور ممالک کی تجارتوں کو اپنے مطلب اور اپنے فائدہ کے لئے استعمال کریگی اور اس طرح گو مادی دولت کو جمع کر لیگی۔ لیکن اصولی طور پر خود اپنے اصول کو توڑنے والی اور غریب اور کمزور ممالک پر ظلم کرنے والی ثابت ہوگی۔

(۷) ساتویں اس نظام کے اقتصادی حصہ کو چلانے کیلئے جبر سے کیونکہ کمزور ممالک میں جبر کا لینا

کہ دولت مندوں کی دولت لوٹ لی جائے اور سوائے ابتدائی انسانی ضروریات کے خرچ کے انہیں اور کچھ نہ دیا جائے۔ یہ نظریہ اپنی ذات میں اچھا ہو یا بُرا سوال یہ ہے کہ کیونکہ جبر کو جائز سمجھتی ہے اور اس سے کام لیتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ آہستہ آہستہ ترغیب اور تربیت سے لوگوں کی عادات درست کی جائیں اور اپنے سے کمزوروں پر رحم کی عادت ڈالی جائے اور غرباد کی محبت اور ان سے مساوات کا خیال ان سے اونچے طبقہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا جائے کیونکہ جبر کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کی تعلیم دیتی ہے اور اُسے برسرِ اقتدار آنے ہی یکدم آسودہ حال لوگوں کی دولت کو چھین لیا اور ان کی تمام جائیدادوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جن کو شاہی محلات میں سے نکال کر چوہر دس کے گھروں میں بٹھا دیا جائے اُنکے دلوں میں جتنا

بھی اس تحریک کے متعلق بغض پیدا ہو کم ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں اس تحریک سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ وہ اس انتہائی طور پر بغض رکھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بے شک اسلام نے بھی امراء سے ان کی دولت لی ہے مگر جبر سے نہیں بلکہ پہلے انہیں غنط کیا پھر دولت کے محرکات کو مٹایا پھر ان کی ضروریات کو محدود کیا پھر انہیں زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ احکام کا قائل کیا اور بالآخر ان تدابیر کے باوجود جو دولت ان کے ہاتھوں میں رہ گئی اُسے ان کی اولادوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح دولت اسلام نے بھی لے لی اور کمیونزم نے بھی۔ مگر کمیونزم نے جبر سے کام لے کر امراء سے ان کی دولت لی اور اسلام نے محبت ان کی دولت لی۔ اس جبر کا یہ نتیجہ ہے کہ غیر ممالک میں ایک بہت بڑا عنصر ان امراء کا موجود ہے جو روس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ کمیونزم نے ان کی دولت کو چھین لیا اور انہیں تخت شاہی سے اٹھا کر خاک مذلت پر گر دیا۔

کمیونسٹ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ آجکل اس تحریک کے خلاف کسی ملک میں جوش نہیں ہے اور وہ اس پر بہت خوش ہیں حالانکہ اس وقت کی خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ غیر ممالک اس وقت روس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اس وقت انگلستان کوئی بات روس کے خلاف سننے کیلئے تیار نہیں۔ اس وقت امریکہ کوئی بات روس کے خلاف سننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ امریکہ اور انگلستان دونوں اس وقت روس کی مدد کے محتاج ہیں اور لوگ اس وجہ سے خاموش بیٹھے ہیں۔ جس دن لڑائی ختم ہوئی اور لوگوں کی آواز پر حکومت کی گرفت نہ رہی اسی دن وہ لوگ جو آج مصلحت کے ماتحت خاموش بیٹھے ہیں روس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں گے اور اس تحریک کو مٹانے کی کوشش کریں گے (چنانچہ اس تقریر کے بعد جنگ جرمنی ختم ہو گئی اور مختلف ممالک میں روسی نظام کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں خصوصاً یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں)۔

کمیونزم کے ذریعہ عالمی محبت کی ستار (۸) آٹھواں نقص اس نظام میں یہ ہے کہ اس میں عالمی محبت کا سرکھل دیا گیا ہے جو آخر مضر ہوگا۔ کمیونزم میں ماں اور باپ

اور بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کی محبت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور بچوں کو کمیونزم کی تعلیم دینے اور مذہب سے بیگانہ کرنے کے لئے حکومت کے بچے قرار دیدیا گیا ہے۔ ہر بچہ بجائے اسکے کماں کی گود میں رست بچہ سے اس کے کہ باپ کی آنکھوں کے سامنے پرورش پائے گی طور پر گورنمنٹ

کے اختیار میں چلا جاتا ہے یا کم سے کم قانونی طور پر ایسا ہے۔ اس طرح ماں باپ کی محبت کا خانہ بالکل خالی کر دیا جاتا ہے۔ یہ نظام بھی ایسا ہے جو دیر تک نہیں چل سکتا۔ یا تو اس نظام کو بدلنا پڑے گا یا رشتہ کا انسان انسان نہ رہے گا کچھ امد بن کر رہ جائیگا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمپوزم کامیاب ہو گیا حالانکہ اس وقت کمپوزم کی کامیابی محض زار کے مظالم کی وجہ سے ہے جب بچہ سناٹھ سال کا زمانہ گذری جب زار کے ظلموں کی یاد دلوں سے مٹ گئی جب اُس کے نقوش دھندلے پڑ گئے اگر اس وقت بھی یہ نظام کامیاب رہا تب ہم سمجھیں گے کہ کمپوزم واقعہ میں ماں کی محبت اور باپ کے پیار اور بہن کی ہمدردی کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن دنیا یاد رکھتے یہ محبتیں کبھی کبھی نہیں جاسکتیں۔ ایک دن آئیگا کہ پھر یہ محبتیں اپنا رنگ لائیں گی۔ پھر دنیا میں ماں کو ماں ہونے کا حق دیا جائیگا۔ پھر باپ کو باپ ہونے کا حق دیا جائیگا۔ پھر بہن کو بہن ہونے کا حق دیا جائیگا۔ اور پھر یہ گم گشتہ محبتیں واپس شینگلی رینگیں اس وقت یہ ثابت ہے کہ کمپوزم انسان کو انسان نہیں بلکہ ایک مشین سمجھتا ہے۔ نہ وہ بچہ کے متعلق ماں کے جذبات کی پروا کرتا ہے۔ نہ وہ باپ کے جذبات کی پروا کرتا ہے۔ نہ وہ بہن کے جذبات کی پروا کرتا ہے۔ نہ وہ اور رشتہ داروں کے جذبات کی پروا کرتا ہے۔ وہ انسان کو انسان نہیں بلکہ ایک مشین کی حیثیت دے رہا ہے۔ مگر یہ مشینری زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی۔ وقت آئیگا کہ انسان اس مشینری کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیگا اور اس نظام کو اپنے لئے قائم کریگا جس میں عائلی جذبات کو اپنی پوری شان کے ساتھ برقرار رکھا جائیگا۔

(۹) نواں نقص اس نظام میں یہ ہے کہ اس میں دماغ کی قدر نہیں اسلئے

دماغی قابلیت کی بے قدری

مجبوراً اعلیٰ دماغ کے لوگ دماغ میں سے باہر نکلیں گے اور اپنی دماغی ایجادات کی قیمت دنیا سے طلب کریں گے۔ بالشوزم کے نزدیک ہاتھ کا کام اصل کام ہے۔ وہ دماغی قابلیتوں کو ہاتھ کے کام سے بغیر بیکار محض قرار دیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہاتھ کا کام بھی کام ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دماغی کام بھی اپنی ذات میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور فطرت انسانی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنی خدمات کا صلہ چاہتی ہے جب کمپوزٹ گورنمنٹ دماغی قابلیتوں کی قدر نہیں کریگی تو فطرت کا مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں ہو سکیگا۔ یا تو کمپوزٹ نظام خود اپنے

نذر تبدیلی کرنے پر مجبور ہوگا اور دوسرے نظاموں کی صف میں اگر گھڑا ہو جائیگا اور اپنے فلسفہ کو ترک کرنے پر مجبور ہوگا۔ یا پھر غلے دماغ رکھنے والے لوگ باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں اپنی ایجادات کو رجسٹرڈ کرا کے ان سے فائدہ اٹھائیں گے مگر روس ان کی دماغی قابلیتوں کے فوائد سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائیگا۔ اس وقت روسی گورنمنٹ سختی سے لوگوں کو باہر جانے سے روکے ہوئے ہے۔ مگر جب آپس میں میل جول شروع ہوا اور اس جنگ کے نتیجے میں ایک حد تک ایسا ضرور ہوگا تو روسی موجد باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں دوسرے موجدوں کی حالت کو دیکھ کر خود بھی کمپنیاں قائم کر کے اپنی ایجادات سے نفع اٹھانا شروع کر دینگے جیسے جرمنی نے جب یہودیوں پر مظالم شروع کئے تو یہودی جرمن میں سے نکل کر امریکہ میں چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی چیزیں اور وہی روایں جو پہلے جرمنی میں تیار ہوا کرتی تھیں اب امریکہ میں تیار ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ بڑے کارخانے امریکہ میں ان یہودیوں نے کھول رکھے ہیں۔ اور ان سے خود بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور امریکہ کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کارخانے پہلے جرمنی میں تھے جب ان کے حقوق کو دبایا گیا تو وہ انگلستان اور امریکہ میں چلے گئے۔ اسی طرح روس میں جب بھی ڈھیل ہوئی اور لوگوں کو آمد و رفت کی آزادی ملی۔ وہاں کے موجد باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں بس کر اپنی دماغی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیں گے۔ یا پھر بیرونی ملکوں سے میل جول کے بند ہونے کی وجہ سے روسی دماغ میں کمزوری آئی شروع ہو جائیگی اور آخر وہ ایک کھڑے پانی کے تالاب کی طرح سڑ کر رہ جائیگا۔

روسی صنعت میں تنزل کا خطرہ (۱۱) سوال نقص کیونست نظام میں یہ ہے کہ چونکہ اس وقت کھانا اور کپڑا وغیرہ حکومت کے سپرد ہے اور صنعت دھرت بھی اُسکے

سپرد ہے اور امپورٹ (IMPORT) اور ایکسپورٹ (EXPORT) بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور جس ملک میں وہ قائم ہوئی ہے وہ صنعت میں بہت پیچھے تھا۔ اس لئے فوراً حقیقی نتائج معلوم نہیں ہو سکتے۔ مگر عقلاً یہ امر ظاہر ہے کہ جب تک صرف اس قدر صنعت وہاں ہے کہ ملک کی ضرورت کو پورا کر کے نقصان کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ جس قیمت پر بھی چیز بنے بنتی جائیگی اور ملک میں کھیتی جائیگی۔ اس کے مہنگا ہونے کا علم نہیں ہوگا۔ جیسٹک وہاں کے کارخانے صرف روسیوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اسوقت تک یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ کارخانے نقص پر چل رہے

ہیں یا نقصان کی طرف جا رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ جس قیمت پر بھی کوئی چیز تیار ہوتی ہے وہ ملک میں کھپ جاتی ہے مگر ایک وقت آئیگا کہ صنعت ملک کی ضرورت سے زیادہ بڑھنے لگے گی۔ اگر اس وقت صنعت کو روکا گیا۔ تو اس میں تنزل شروع ہو جائیگا اور اگر بڑھنے دیا گیا تو اس صورت میں یہ امر لازمی ہوگا کہ روسی صنعت کی اشیاء دوسرے ملکوں کو بھجوائی جائیں۔ تب یہ بھی ضروری ہوگا کہ روسی صنعت کی اشیاء کی وہی قیمت مقرر کی جائے جن پر وہ باہر کی منڈیوں میں فروخت ہو سکیں اگر اس مجبوری کے ماتحت روسی پیداوار کو اس کی لاگت کے کم قیمت پر فروخت کیا گیا تو گویا روسی صنایع غیر ملکوں کا غلام بن جائیگا۔ کہ رات دن محنت کر کے لاگت کے کم قیمت پر انہیں اشیاء ہتیا کر یگا لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو لازماً ملک کی صنعت ایک حد تک ترقی کر کے رک جائیگی۔ یا پھر روس کو ایمر سلیم کا طریق اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی دوسرے ملکوں کو قبضہ میں لا کر ان پر اپنی مصنوعات ٹھونسٹی پڑیگی اور اس طرح خود اپنے ہاتھ سے روس اپنی آزادی کے دعووں کو دفن کر دیگا۔ غرض اس وقت مقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے کم سے کم قیمت پر مال پیدا کرنے کی روح سخت کمزور ہے اور آئندہ اور بھی کمزور ہوتی جائیگی۔ اس وقت اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک غریب عورت دن میں پانچ میر دانے پیس لیتی ہے اور گھر والے خوش ہو جاتے ہیں کہ اس نے خوب کام کیا ہے اور وہی اثانات کو پکا کر کھاتے ہیں۔ لیکن جب باہر جا کر مزدوری کرتی ہے تب اسے پتہ لگتا ہے کہ میں نے کتنا کام کیا ہے اور کتنا کام مجھے کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ پانچ میر دانوں کی پسائی کے مقابل پر باہر مزدوری اسے بہت زیادہ ملتی ہے۔ اسی طرح جب تک روسی اپنی تیار کردہ اشیاء اپنے گھر میں استعمال کرتے رہتے ہیں یہ صحیح طور پر تیار نہیں کیا جاسکتا کہ روس تجارتی طور پر بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔ اس وقت بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ روس اقتصادی طور پر کامیاب ہو رہا ہے۔ لیکن جب اس کی صنعت بڑھنے لگی اس وقت اس کا بھانڈا پھوٹ جائیگا وہ اقتصادی طور پر وہ بالکل گر جائیگا لیکن اگر کامیاب ہو گیا تو اس کا ایک اور خطرناک نتیجہ نکلیگا۔ جو ذیل کے ہیڈنگ کے نیچے بیان کیا گیا ہے۔

کیونز کم کے نظام میں عالمگیر ہمدردی کا فقدان (۱) گیارھواں نقض کیونز کم نظام میں یہ ہے کہ اس کی بنیاد فقر علی ہمدردی پر ہے۔ عالمگیر ہمدردی کا اصل اس میں نہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر روسی کیونز کم نظام صنعتی ترقی میں کامیاب ہو گیا تو مجبور ہوگا کہ ایک ذیروست

کیپٹلسٹ نظام جو پہلے نظام سے بھی بڑا ہو اور دنیا کے لئے پہلے نظام سے بہت زیادہ خطرناک ہو قائم کے
 میں حیران ہوں کہ اتنے اہم سوال کی موجودگی میں ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ کمیونزم کی حمایت کس بنا پر کرتا ہے۔ اصل
 بات یہ ہے کہ روس نے اجتماعی سرمایہ داری کو ایک عظیم الشان شکل میں پیش کیا ہے اور اس سے دنیا کو
 آخر بہت نقصان پہنچے گا۔ روس میں اور دوسرے ممالک میں جو کمیونسٹ ہیں وہ اس بات پر خوش ہوتے
 ہیں کہ کمیونزم نے ہر شخص کی روٹی اور کپڑے کا انتظام کر دیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک
 روٹی اور کپڑے کا سوال ہے ہم بھی خوش ہیں کہ لوگوں کی اس ضرورت کو پورا کیا گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس
 عظیم الشان خطرہ کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو ایک نئے کیپٹلسٹ سسٹم (Capital System)
 کی صورت میں دنیا کے سامنے آنے والا ہے۔

روس کا دعویٰ ہے کہ اُس نے شہر سے شہر تک اپنے ملک کی صنعتی پیداوار کو 625% فیصدی
 بڑھا دیا ہے۔ یعنی پہلے اگر ایک ادب تھی تو اب چھ ادب عیس کر ڈھے۔ پہلے اگر سو موٹر روس میں بنتا تھا تو
 اب ۶۲۵ موٹر بنتا ہے یا پہلے اُس کے کارخانوں میں اگر ایک لاکھ تھان کپڑے کا تیار ہوا کرتا تھا تو اب
 چھ لاکھ عیس ہزار تھان بنتا ہے۔ یہ ترقی واقعہ میں ایسی ہے جو قابل تعریف ہے۔ روسی کمیونزم کا یہ بھی دعویٰ
 ہے کہ شہر سے شہر تک دس بلین روپے سے اُس کا صنعتی سرمایہ پچھتر بلین روپے تک بڑھ گیا ہے۔
 (روپے کی موجودہ قیمت بہت تھوڑی ہے) گویا اس عرصہ میں اُس نے ساڑھے سات گنا اپنا سرمایہ بڑھا لیا ہے
 اور سوا چھ گنا اُس نے اپنی صنعتی پیداوار کو بڑھا لیا ہے۔ اُس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ صرف شہر میں
 اُس نے اپنی ملکی آمد کا ۱۲ حصہ کارخانوں کی ترقی پر لگایا ہے یہ بھی بڑی شاندار ترقی ہے۔ مگر ایک بات پر
 غور کرنا چاہیے۔ کیا روس بغیر دوسرے ملکوں سے تجارتی بین دین کرنے کے ہمیشہ کیلئے ایک بندہ دواذہ کی پالیسی
 پر عمل کر کے اپنی اس ترقی کی رفتار کو جاری رکھ سکتا ہے۔ اس وقت تو صورت یہ ہے کہ روس نہ بیرونی ملکوں
 کو اپنی بنی ہوئی چیزیں بیچتا ہے اور نہ الا ماشاء اللہ باہر سے کوئی چیزیں لیتا ہے۔ وہ اگر باہر سے کوئی
 چیز منگواتا ہے تو صرف اتنی جس سے اُس کے کارخانوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ گویا روس کی مثال اس وقت
 ایسی ہی ہے جیسے ہندوستان کا کسان اپنی زمین پر گزارہ کرتا ہے۔ اُس کے کچھ حصہ سے گڑ پیدا کر بیٹا ہے

کچھ حصہ سے ماش پیدا کر لیتا ہے۔ کچھ حصہ سے چاول پیدا کر لیتا ہے۔ کچھ حصہ سے تل پیدا کر لیتا ہے۔ کچھ حصہ سے گندم پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح اپنی زندگی کے دن گزارتا رہتا ہے۔ اگر یہ صورت حالات تمدن کے ہر درجہ میں قائم نہیں ہو سکتی اگر یہ صورت تمدن کے ہر درجہ میں جاری رہ سکتی تو وہ جھگڑے جو آج دنیا کے تمام ممالک میں نظر آ رہے ہیں اور جن کی وجہ سے عالمی جنگوں تک نوبت آچکی ہے کیوں پیدا ہوتے۔ بہر حال یہ صورت تمدن ممالک میں قائم نہیں رہ سکتی۔

دنیا کی ساری قومیں تسلیم کرتی ہیں کہ کوئی ملک اکیلا زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسروں سے تعلقات پیدا کرے اور تجربہ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔ پس جبکہ روس ہمیشہ کے لئے ایک بند دروازہ کی پالیسی پر عمل کر کے ترقی نہیں کر سکتا۔ تو کیا جب روسی کا رخاؤں کی پیداوار اس کے ملک کی ضرورت سے بڑھ جائیگی وہ اپنی صنعت کو دوسرے ممالک میں پھیلانے کی کوشش نہیں کریگا۔ خود کیوں جائیں ان جنگ کے دنوں میں ہی روس مجبور ہوا ہے کہ امریکہ اور انگلستان سے نہایت کثرت کے ساتھ سامان منگوائے اور جس سرعت اور تیزی کے ساتھ روس صنعت میں ترقی کر رہا ہے وہ اگر جاری رہی تو چند سالوں میں ہی روس کے صنعتی کارخانے اس قدر سامان پیدا کریں گے کہ وہ اس بات پر مجبور ہو جائیگا کہ غیر ملکوں کے پاس اسے فروخت کرے۔ ذرا سوچو کہ جب وہ دن آئیگا تو کیا اس وقت روس کی وہی پالیسی نہیں ہوگی جو اب بڑے بڑے تاجروں کی ہوتی ہے اور کیا وہ اس مال کو فروخت کرنے کے لئے وہی طریقے اختیار نہیں کریگا جو امریکہ اور انگلستان کے بڑے بڑے تاجر اختیار کرتے ہیں یعنی کیا وہ کسی نہ کسی طرح دوسرے ممالک کو مجبور نہ کریگا کہ وہ اس سے مال خریدیں تاکہ اس کے اپنے ملک کے مزدور بیکار نہ رہیں اور اس کی صنعتی اور اقتصادی ترقی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جیسے ہندوستان کی سیاسی آزادی کا سوال آئے تو انگلستان کے بڑے بڑے ممبر ہاؤس آف کامنز میں دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں لیکن جب اقتصادی ترقی کا سوال آجائے تو فوراً اس کے اقتصادی اکابر کہنے لگتے ہیں کہ برطانوی مفاد کی خدمت ظلت کرنی جائے۔ یہی حالت روس کی ہوگی۔ لیکن جہاں انگلستان اور امریکہ کا مقابلہ دوسرے ملکوں سے صرف تاجروں کے ذریعہ ہوتا وہاں روس کا مقابلہ دوسرے ملکوں کے انفرادی تاجر تاجروں کے ذریعہ سے نہ ہوگا بلکہ سارے روس کے اشتراکی نظام کا مقابلہ دوسرے ملکوں کے انفرادی تاجر

سے ہو گا اور جس دن روس میں یہ حالت پیدا ہوئی اس وقت روس یہ نہیں سمجھا کہ چلو ہم اپنے کارخانے بند کیے
 ہیں ہم اپنے مزدوروں کو بیکار رہنے دیتے ہیں مگر ہم غیر لاکوں میں اپنے مال کو فروخت نہیں کرتے بلکہ اس وقت وہ
 اپنے ہمسایہ ممالک کو مختلف ذرائع سے مجبور کر رہا کہ وہ اس سے چیزیں خریدیں اور حق یہ ہے کہ وہ ان تمام
 ذرائع کو استعمال میں لائے ہوئے ہیں اور جو بڑے بڑے سرمایہ دار تاجر اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور چونکہ روس کی صنعت
 حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے حکومت کا سیاسی زور بھی اس کے ساتھ کئی طور پر شامل ہو گا۔ روس
 اس وقت بہت بڑی طاقت ہے۔ حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ رعب اور دبہ اس کو عامل سے ایسی
 حالت میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا بلکہ انگلستان اور امریکہ کے تاجر بھی کب کر نہیں گے
 اس وقت روس کو عرصہ پہلے مثال نہیں ہو گا کہ اس طرح تجارتی نفوذ بڑھا کر اسے روپیہ آئیگا بلکہ اسے یہ
 بھروسہ ہو گا کہ اس کے بیچ میں ملک کا صنعتی مہیا بلند ہو گا۔ مزدور بھوکا نہیں رہیگا۔ کارخانوں کو بند
 نہیں کرنا پڑیگا اور غیر ممالک کی دولت کو اپنی طرف زیادہ سے زیادہ کھینچا جاسکیگا۔ پس اس کے ہمسایہ کمزور
 ملک اس طرح اس کیلئے دھار سے کھولنے پر مجبور ہونگے جس طرح مغربی تاجر کے لئے وہ اپنے دروازے
 کھولنے پر مجبور ہوتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ اور دنیا اقتصادی طور پر ایک سخت دھکا کھائے گی۔

جن دن روس میں یہ خیالات پھیل کر دیا کرتے ہیں کہ ہم روسی حکومت میں شامل ہو جائیگے اور اس طرح
 وہی فائدہ حاصل کر لیں گے جو روسی باشندے کمپوزم کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم
 کہتے ہیں کہ دنیا میں کسے نوک ہیں تو کمپوزم کی حمایت کی وجہ سے اپنے آپ کو روسی حکومت میں شامل کرنے کیلئے تیار ہیں
 کمپوزٹ میں کنٹرول اب ہے جو یہ تو چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں بھی وہی قوانین جاری ہو جائیں۔ جو
 کمپوزٹ عمارت نے اپنے ملک میں جاری کئے ہوئے ہیں۔ مگر وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ روسی حکومت کا انہیں
 جزو بنا دیا جائے۔ انگلستان کے کمپوزٹ اس بات کے تو حواش مند پائے جاتے ہیں کہ روسی حکومت قواعد
 انگلستان میں بھی جاری ہو جائیں مگر وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ انگلستان روس کا جزو بن جائے۔ بلکہ وہ
 جانتے ہیں کہ روس کے قوانین پر ان میں بلندی کر کے ان سے خواہ۔ اس طرح امریکہ کے
 قوانین پر ان میں بلندی کر کے ان سے خواہ۔ اس طرح امریکہ کے

حکومت میں جاری کئے ہوئے ہیں۔ مگر وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ امریکہ رقبہ کا جزو بن جائے اور وہ امریکی سیاسی حکومت میں شامل ہو جائے۔

میں ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں کے کمیونسٹ کیا رائے رکھتے ہیں کیونکہ ہمارے ہندوستانی کمیونسٹ عام طور پر سوچنے کے عادی نہیں ہوتے اور زیادہ تر کم علم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نعرے لگانے کے عادی تو ہیں مگر ان نعروں کی حقیقت کو ان میں سے بہت کم طبقہ سمجھتا ہے۔ باقی لوگ جذبات کی زد میں بہ کر عقل اور فکر کو جواب دیتے ہیں۔ ممکن ہے ہندوستان کے نوے فیصدی کمیونسٹ یہی چاہتے ہوں کہ بیشک ہندوستان کو روس میں ملا دیا جائے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن باقی دنیا کے کمیونسٹ ایسا نہیں کہتے اور ایسا نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات ان کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوگی۔

روسی مقبوضات میں عدم مساوات

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ایشیائی مقبوضات اس امر کے شاہد ہیں کہ یورپین لوگوں کی حالت اور ان کی حالت میں بہت بڑا فرق ہے۔ میں عام خیرت داشت کرنے کیلئے تیار ہوں کمیونسٹ پارٹی بیشک میرا آدمی اپنے ساتھ لے اور وہ اسے بخارا اور ماسکو وغیرہ میں لے جائے اور پھر ثابت کرے کہ بخارا کے غریب کو بھی وہی کچھ ملتا ہے جو ماسکو کے غریب کو ملتا ہے۔ بخارا کے لوگوں کے لباس اور مکان اور تعلیم وغیرہ کا اسی طرح انتظام کیا جاتا ہے جیسا کہ ماسکو کے لوگوں کا۔ لباس اور مکان اور تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یقیناً حالات کا جائزہ لینے پر یہی محسوس ہوگا کہ ماسکو میں اور بخارا میں ایک ہی حال دوسرے روسی ایشیائی مقبوضات کا ہے۔ کسی در ثبوت کی کیا ضرورت ہے ابھی ددہتے ہوئے روسی حکومت کی طرف سے ایشیائی مقبوضات کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ ان علاقوں کے حالات کی درستی کے لئے بھی اب سکیمیں تیار کی جا رہی ہیں اور آئندہ ان کی ترقی کے متعلق بھی ایک خاص پروگرام بنایا جائیگا۔ یہ اعلان ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ جیسا سلوک روس اپنے ملک کے باشندوں سے کرتا ہے ویسا ہی سلوک وہ ایشیائی مقبوضات کے باشندوں سے بھی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یورپی روس اور ایشیائی روس میں ایک ہی فرق نہ رہتا۔ ایک ہی قسم کی اقتصادی اصلاحات عمل میں لائی جائیں اور دونوں ملک ایک ہی وقت میں ایک سے معیار ترقی پر

پہنچ جاتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ پس یہ خیال واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ ان علاقوں میں ابھی غریب موجود ہیں
 ان علاقوں میں ابھی مفلوک الحال لوگ موجود ہیں۔ مگر وہی ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتے جو اپنے ملک کے
 غریبوں سے یا یورپین طبقہ سے کرتے ہیں اور ان دونوں کی حالت میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔
 بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیونرزم کی بنیاد ہی مساوات پر ہے۔ وہ ایسا نہیں کریگی کہ اپنے ملک کی طاقت
 بڑھانے کیلئے دوسروں کے حقوق پر چھاپ مارنے لگے۔ مگر یہ بھی محض وہم ہے اور بھی "عصمت بی بی ازبے چارگی"
 والی بات ہے۔ جب تک کیونرزم صنعتی پیداوار کی کمی کی وجہ سے بیرونی ملکوں یا ان کی دولت کی ضرورت نہیں
 سمجھتی اس وقت تک اس کا یہ حل ہے لیکن جب یہ مجبوری دور ہوئی تو وہ دوسروں سے زیادہ غیر ممالک کو
 لوٹنے اور ان کی اقتصادی حالت کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کریگی۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب تک
 سیاستاروں کا اپنے ملک میں الجھاؤ تھا جارجیا بھی آزاد تھا فن لینڈ بھی آزاد تھا لٹویا بھی آزاد تھا لیتھونیا بھی
 آزاد تھا استھونیا بھی آزاد تھا اور روس یہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے نظام کی یہ خوبی ہے کہ وہ دوسرے ملکوں سے
 الجھاؤ نہیں کرتا۔ ہم تو حریت ضمیر کے قائل ہیں۔ ہم نے ان تمام ممالک کو آزاد کر دیا ہے جو ہم سے آزاد ہونا
 چاہتے تھے۔ ہم نے لٹویا لیتھونیا استھونیا فن لینڈ پولینڈ جارجیا وغیرہ ممالک کو آزاد کر دیا ہے۔ ترکوں کو
 آرمینیا کا وہ علاقہ جو ان کے متعلق ہے دیدیا ہے۔ مگر جوں ہی روس کے اماندنی جھگڑے کم ہوئے۔ جارجیا کو
 روس میں شامل کر دیا گیا جب اور طاقت آئی تو فن لینڈ سے سرحدوں کی بحث شروع کر دی۔ اور طاقت پکڑی تو
 لٹویا لیتھونیا اور استھونیا کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ رومانیہ کے بعض علاقوں کو ہتھ لیا لیا۔ پھر فن لینڈ کو مغلوب کیے
 اس کے کچھ علاقے لے لئے اور باقی ملک کی آزادی کو محدود کر دیا۔ اب پولینڈ کا کچھ حصہ لیا جا رہا ہے۔ باقی
 کی آزادی محدود کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ روسی سرحدوں پر وہی حکومت رہ سکتی ہے جو روسی حکومت
 تعاون کرے۔ اور اس اصل کے ماتحت پولینڈ زیکو سلوویکا رومانیہ کے اندرونی معاشیات میں دخل دیا جا رہا ہے۔
 ایران کے چٹھوں پر قبضہ کرنے کی سکیم تیار کی جا رہی ہے۔ ترکی سے آرمینیا کے حصوں کی واپسی اور درہ دانیال میں
 روسی نفاذ کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ کیا پرانی ایمریل حکومتیں اس کے سوا کچھ اور کرتی تھیں؟ بلکہ
 کیا وہ اس سے زیادہ آہستگی اور بظاہر نرم نظر آنے والے طریق استعمال نہیں کرتی تھیں؟ پاکستان کو درہ دانیال

کی ضرورت دیر سے محسوس ہو رہی ہے مگر اس نے صدیوں میں ترکی پر اس قدر زور نہیں ڈالا جس قدر زور روس
چند سالوں میں ڈال رہا ہے۔ ان امور کے ہوتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ روس اپنی صنعتی ترقی کے ہی واسطے
اپنے ہمسایہ ملکوں کو اقتصادی غلامی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کریگا جس طرح کہ مغربی ڈیپاکریسی کے تیار اپنی
حکومتوں پر زور ڈال کر ان کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں کو مجبور کرتے ہیں ایک دہم نہیں تو ور کیا ہے۔
واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ جب روس کو طاقت حاصل ہوئی سیاسی مساوات اور حریت کے وہ تمام
دعوے جو روس کرتا تھا دھڑے دھڑے رہ گئے اور اب اس دعویٰ کا نشان تک ٹٹا جا رہا ہے کہ روس کا
دوسرے ممالک سے کوئی تعلق نہیں روس صرف اپنے ملک کے غریبوں کی روٹی اور ان کے کپڑے کا انتظام کرنا
چاہتا ہے جب سیاسی دنیا میں آکر کیونزیم کی رائے بدل گئی اور اس نے خود اپنے بنائے ہوئے اصول
کو اپنے ملک کے فائدہ اور برتری کے لئے واضح طور پر پس پشت ڈال دیا۔ جارجیا، بخارا، فن لینڈ، لٹویا،
لیتھونیا، استھونیا پر قبضہ کر لیا۔ فن لینڈ، پولینڈ، رومانیہ، یوگوسلاویا کو کم و بیش سیاسی اقتدار کے لئے لے
آیا۔ ایران اور ترکی کو زیر اثر لانے کے لئے جوڑ توڑ کر رہا ہے چین کے حصے بخرے کرنے کی تجویزیں ہو رہی
ہیں۔ آخر کس مساوات اور حریت خمیر کے قانون کے ماتحت اس کے لئے یہ جائز تھا کہ ان ممالک پر قبضہ کرتا
کیوں فن لینڈ اپنے ملک کا ایک حصہ کاٹ کر روس کو دیتا یا کیوں لٹویا و لیتھونیا اور استھونیا کی آزادی
کو سلب کر لیا جاتا۔ کیا ان ممالک کا یہ فرض تھا کہ وہ وائٹ ریشیا کی حفاظت کیتے اور اپنے آپ کو
روس کے لئے قربان کر دیتے یا جارجیا اور بخارا کے فرض میں یہ شامل تھا کہ وہ روسی حکومت میں
اپنے آپ کو شامل کر دیتے۔ اگر حریت خمیر اور مساوات اسے جائز قرار دیتے ہیں تو اس کے الٹ کیوں
نہ ہوا۔ کیوں روس کا کچھ حصہ کاٹ کر فن لینڈ کو نہ دے دیا گیا تا وہ مضبوط ہو کر اپنی حفاظت کر سکے۔
کیوں نہ کچھ حصے کاٹ کر پولینڈ، رومانیہ، ترکی اور ایران کو نہ دیئے گئے تا وہ مضبوط ہو جائے ان کمزور
ملکوں کو حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے یا طاقتور روس کو۔ پس حفاظت کے اصول کے لحاظ سے ان ملکوں کو
اور علاقے ملنے چاہیے تھے نہ کہ روس کو۔ مگر بات یہ ہے کہ پچھلے اگر روس خاموش تھا تو محض اس لئے کہ اُس کے
پاس طاقت نہیں تھی۔ جب اُس کے پاس طاقت آگئی تو یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں اُس کا شکار

ہوئیں۔ گریزوں کی ان گھوڑوں میں خاک بھونکنے کے لئے کہا گیا کہ ہم ان ممالک پر اسلئے قبضہ کرتے ہیں کہ روسی سرحد میں
 ان کے بغیر محفوظ نہیں ہیں۔ اگر یہ طریق درست ہے تو کل امریکہ واسے بھی کہیں گے کہ ہمارے لئے جاپانی جزیرے پر
 قبضہ کرن ضروری ہے کیونکہ ہمارے ملک کی حفاظت اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہتے ہیں "زبردست کاٹھیننگ سرپر"
 جس کے پاس طاقت ہوتی ہے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر ہی لیا کرتا ہے۔ جب روس کے پاس طاقت آئی تو
 اُس نے بھی ڈیفنس آف سائے بیریا۔ ڈیفنس آف لینن گراڈ۔ ڈیفنس آف وٹسٹا۔ ڈیفنس آف اکرین کے
 بہانے میسکئی ممالک کی آزادی کو سلب کر لیا۔ جب سیاسیات میں روس کی یہ حالت ہے تو اقتصادیات میں یہ
 کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ روس دوسرے ممالک کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنے کے لئے تیار ہو جائیگا
 اگر ہو کہ نہیں ہم اقتصادیات کے متعلق نہیں سمجھ سکتے کہ روس ایسا کریگا۔ سیاسی صورت لگ ہے تو
 اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کیوں جاتے ہو مساوات پر زور دینے والی کمیونزم کی یہ حالت ہے کہ وہ آج ایران
 کے تیل پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ آخر سوال یہ ہے کہ کیا ایران کے لئے اپنے چشموں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں
 کہ ایک دوسرا ملک اُس سے مطالبہ کرتا ہے کہ تیل کے چشموں سے اُسے فائدہ اٹھانے دیا جائے جب ایران
 کو خود اپنے لئے تیل کے چشموں کی ضرورت ہے۔ جب اُس کے اپنے آدمی بھوکے سر رہے ہیں تو روس نے
 اُس سے یہ کیوں مطالبہ کیا؟ اگر مساوات اور بنی نوع انسان کی ہمدردی مقصود تھی تو کیوں ایران کو بغیر سود
 کے دیہیز نہ دست دیا کہ اپنے تیل کے چشموں کو کھودو اور اُن سے اپنے ملک کی حالت کو درست کرو۔
 کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ طاقت حاصل ہونے کے نتیجہ میں روس اب یہ چاہتا ہے کہ ایران سے اُسکے
 تیل کے چشمے بھی چھین لے اور خود اُن پر قابض ہو جائے۔

بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر گریزوں نے بھی تو ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ میرا
 جواب یہ ہے کہ انہوں نے بھی چھا نہیں کیا۔ مگر یہ تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر انگریزوں نے اچھا نہیں کیا تو
 روس نے بھی اچھا نہیں کیا۔ تم اُس کو بھی گالیاں دو اور اُس کو بھی برا بھلا کہو مگر یہ کیا کہ انگریز ایک کام
 کریں تو انہیں برا بھلا کہا جائے اور دیسا ہی کام روسی کریں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے بلکہ اُن کی تعریف کی جائے
 اگر انگریزوں نے آبادان کے چشموں پر قبضہ کیا ہوا ہے تو روس کا مطالبہ بھی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ

اقتصادیات میں کیونز کم پرائسز ایسٹیمٹسٹک پالیسی واسے ملکوں سے کوئی جداگانہ راہ نہیں رکھتا اور وہ بھی غیر ملکوں سے مسادات کا سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر وہ مسادات کے لئے تیار ہے تو کیا اگر ایرانی یہ مطالبہ کریں کہ ہمیں بالوکے چشموں سے فائدہ اٹھانے دیا جائے تو روسی کہیں گے بہت اچھا آجاؤ اور بالوکے چشموں پر قبضہ کر لو۔ اگر مسادات کا سلوک کیا جاتا تو ایران سے کہا جاتا کہ تمہارا بھی حق ہے کہ مجھ سے مانگو اور میرا بھی حق ہے۔ میں تم سے مانگوں۔ اگر روس اس طرٹ آتا ہی نہیں۔ اور ابھی تو یہ ابتداء ہے۔ جب کیونز کم کی صنعت و حرفت بڑھے گی دوسرے ملک اس طرح چلائیں گے کہ پہلے کبھی نہیں چلائے اور اس سے زیادہ ان کی صنعت کو کچا جائیگا جس قدر کہ پہلے کبھی چلا گیا کیونکہ کیونز کم نے صرف فردی کیپٹل ازم کو کچلا ہے اجتماعی کیپٹل ازم کو نہیں بلکہ اجتماعی کیپٹل ازم کو اس قدر طاقت دے دی ہے کہ اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور اجتماعی کیپٹل ازم ہی اسب سے زیادہ خطرناک شے ہے۔ امریکہ نے ٹرسٹ سسٹم اور کارٹل سسٹم کے خلاف قانون ایسی لئے پاس کیا ہے۔

ایک خطرناک کیپٹلزم کا اجراء اور اس کے انسداد کی دو صورتیں

کامیاب نہیں ہوئے جس قدر کہ کارٹل اور کارٹل کبھی اتنے کامیاب نہیں ہوئے جس قدر کہ وہ کمپنیاں کامیاب ہونگی جن کے پیچھے سارے ملک کی دولت اور سیاست ہوگی جیسا کہ روس میں کیا جا رہا ہے افراد کی کمپنیوں کا مقابلہ چھوٹے ملک اور غیر منظم بڑے ملک کر سکتے تھے مگر اجتماعی حکومتی کیپٹلزم کا مقابلہ چھوٹے ملک اور بڑے (لیکن کمزور) ملک کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔

اس سے پہلے بھی بڑے صنایع ملک چھوٹے ملکوں پر اقتدار پیدا کر لیتے تھے لیکن انفرادی کیپٹلزم کی موجودگی میں ضروری نہ تھا کہ جو ملک چھوٹا ہو اس میں کیپٹلسٹ نہ ہوں۔ چونکہ مقابلہ افراد میں تھا اسلئے باوجود ملک کے چھوٹا ہونے کے اس کے کچھ افراد بڑے اور منظم ملک کا مقابلہ کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ بھی کیپٹلسٹ ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ نہایت منظم صنعتی ملک ہے مگر باوجود اس کے ہالینڈ مجیم موثر رہنما

جیسے ملکوں کے بعض سٹیٹسٹ انگلستان کے کیپٹلسٹوں کا مقابلہ کر سکتے تھے کیونکہ مقابلہ انگلستان اور ہالینڈ یا انگلستان اور بلجیئم اور انگلستان اور سوئٹزرلینڈ کا نہ تھا بلکہ مقابلہ انگلستان اور ہالینڈ کے اور انگلستان اور بلجیئم اور انگلستان اور سوئٹزرلینڈ کے کیپٹلسٹوں کا تھا۔ اور اسے مقابلہ میں چھوٹے ملک کے کیپٹلسٹوں کے لئے بھی آگے نکلنے کا کچھ نہ کچھ راستہ کھلا رہتا ہے اور ان کے آگے نکلنے سے ملک کا دوسرا طبقہ بھی فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انگلستان اور بلجیئم کی فوجیں سامنے آئیں تو بلجیئم مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن انگلستان کا کوئی سپاہی بلجیئم کے کسی سپاہی کے مقابلہ پر آ جائے تو بلجیئم کا سپاہی انگلستان کے سپاہی پر غالب آ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ فردی سٹیٹسزم بھی ایک خطرناک شے ہے مگر اس کے باوجود خود اس ملک کے لوگوں اور اس کے حریف ملکوں کے لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ راستہ بچاؤ کا کھلا رہتا ہے۔ لیکن حکومتی کیپٹلسزم کے سامنے چھوٹے اور غیر منظم ملک بالکل نہیں ٹھہر سکتے۔ اور ان کے بچنے کی کوئی ممکن صورت ہی باقی نہیں رہتی اور یہ مقابلہ ایسا ہی عبث ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک مشین گن رکھنے والی فوج کے مقابل پر مونٹے لے کر نکلنے والی فوج عبث اور بیکار ہوتی ہے۔ کمیونزم نے ملکی اجتماعی کیپٹلسزم کا طریق جاری کر کے جس میں سارے ملک کی دولت اور اس کی سیاسی برتری مجموعی طور پر دوسرے ملکوں کے منقرض ہونے اور تاجروں کے مقابل پر کھڑی ہوتی ہے ایک ایسا طریق رائج کیا ہے جو دنیا کے اقتصادی نظام کو بالکل تباہ و بالالہ کر دیگا۔ لوگ ٹرسٹوں اور کارٹلز کے خلاف شور مچا رہے تھے اور ان کے ظلموں کے شاکے تھے۔ مگر کمیونزم نظام کے ماتحت ترقی کرنے والی صنعت و حرفت تمام دوسرے ملکوں کے لئے ایسی خطرناک ثابت ہوئی کہ اس کے مقابلہ پر ٹرسٹ تو کیا کارٹلز بھی ایسے معلوم ہونگے جیسے ایک دیو کے مقابلہ پر ایک پانچ سالہ لڑکا۔ انگلستان کا ایک بڑا تاجر امریکہ کے ایک بڑے تاجر کا مقابلہ تو کر سکتا تھا۔ اگر مقابلہ نہ ہو سکتا تھا تو انگلستان کے چند تاجر ملکر ایک ٹرسٹ بنا لیتے تھے۔ اگر جرمنی کی سائیکلفک مصنوعات کا مقابلہ امریکہ اور انگلستان کے چند صنعتیوں کے لئے مشکل ہوتا تو دونوں ملکوں کے تاجر مل کر ایک کارٹل کے حصہ دار ہو جاتے تھے مگر کمیونزم کی صنعت کا مقابلہ کوئی ذریعہ سے ذبردست کارٹل بھی کس طرح کر سکتا ہے

کیونکہ کمیونزم کے ترقی یافتہ کارخانوں کی مدد پر ایک یا دو تاجر نہ ہونگے بلکہ سب ملک کی دولت ہوگی اور تاجروں کی دولت ہی نہ ہوگی روس کی ڈپلومیٹک فوج اور لڑنے والی فوج اور اس کا بحری بیڑا بھی ہوگا کیونکہ اس کے کارخانہ کی ناکامی کسی ایک فرد یا کمپنی کی ناکامی نہ ہوگی بلکہ خود روسی حکومت کی ناکامی ہوگی کیونکہ کمیونزم کے نظام صنعت و حرفت کے کارخانے حکومت کے قبضہ اور انتظام میں ہونگے پس جس صنعت کو یہ مدد حاصل ہوگی اسکا مقابلہ غیر ملکوں کے تاجر یا ٹرسٹ یا کئی ملکوں کے اثتراک سے بنے ہوئے کارٹلز بھی کس طرح کر سکتے ہیں۔

پس رشین کمیونزم نے ایک نہایت خطرناک کیپٹلزم کا راستہ کھولا ہے جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ اس کا مقابلہ ان دو ہی صورتوں سے ہو سکتا ہے (۱) سب دنیا ایک ہی نظام میں پروٹی جائے۔ یعنی سب ملک روسی حکومت کا جز بن جائیں۔ اور اس طرح آئندہ غیر مساوی مقابلہ کو بند کر دیں۔ مگر کیا کمیونزم میں کوئی ایسے اثتراک کی گنجائش ہے؛ یا کیا غیر ملکوں کے لوگ مثلاً انگلستان امریکہ فرانس کے لوگ اس امر کیلئے تیار ہیں کہ آئندہ آنے والے خطرہ سے بچنے کیلئے اپنے آپ کو روسی حکومت میں شامل کر دیں؛ اور کیا اس کی کوئی معقول امید ہے؛ کہ اگر وہ ایسا کر بھی دیں تو وہ روسیوں کے ساتھ ہر جہت سے مساوی حقوق حاصل کر لیں گے۔ اگر یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں جیسا کہ میرے نزدیک ہر عقلمند انسان انہیں ناممکن کہیگا تو پھر یہ علاج تو بیکار ہوا (۲) دوسرا ممکن علاج اس خطرہ کا یہ ہو سکتا ہے کہ سب دنیا کے ملک کمیونزم کے مطابق الگ الگ نظام قائم کر لیں۔ مگر سب دنیا کمیونزم میں آجائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند حکومتیں ٹرسٹ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اور وہ حالت موجودہ حالت سے بہت زیادہ خطرناک ہو جائے گی اس تبدیلی سے صرف یہ فرق پڑیگا کہ پہلے تو ہندوستان کے تاجر کا ریشیا کے تاجر سے مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ مگر پھر ہندوستانی حکومت کے صنعتی ادارہ کا مقابلہ روسی حکومت کے صنعتی ادارہ سے ہوگا گویا اب تو جنگ کبھی کبھار ہوتی ہے اس وقت ایک مستقل جنگ دنیا میں جاری ہو جائیگی۔ ہر تجارتی قافلہ کا سفر و حقیقت ایک سفیر ہوگا اور ہر تجارتی مال اپنی حفاظت کیلئے اپنے ملک کی فوج اور اسکا بیڑا ساتھ رکھتا ہوگا تجارتی نزاع تاجروں میں نہیں حکومتوں میں ہونگے اور بین دین کے لئے کمپنیوں کے منیجر نہیں بلکہ حکومتوں کے وزیر خط و کتابت کریں گے۔ اس نظام میں کسی چھوٹے ملک یا غیر منظم کو کوئی جگہ ہی نہیں مل سکتی چھوٹے ملک اور

غیر منظم ملک اس نظام کے جاری ہونے پر اپنی حریت پوری طرح کھو بیٹھینگے اور صرف بڑے ملکوں کی چہرہ لگا ہوں بن کر رہ جائیں گے اور جو ملک منظم اور بڑے ہونگے ان میں پہلے کی طرح مقابلہ جاری رہے گا صرف فرق یہ ہوگا کہ پہلے تو زید اور بکر کا تجارتی مقابلہ ہوتا تھا۔ آئندہ حکومت کا حکومت سے تجارتی مقابلہ ہوگا۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ سب لوگ مل کر ایک بالائے صاف معاہدہ کر لیں تو یہ بھی درست نہیں۔ آج کا روس کل کا روس نہیں در کل کا روس آج کا نہ ہوگا جب اس کی صنعت و حرفت ترقی کرے گی اور جب اس کی دولت بڑھ سکے گی وہ دوسروں سے اپنی دولت بانٹنے کے لئے تیار نہیں ہوگا بلکہ وہ تو آج بھی تیار نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ایران کے تیل پر کیوں قبضہ کرنا چاہتا۔

روس کا فعل اپنے قول کے خلاف | روس کا تھری گبز (Three Binds) میں شامل ہونا بھی اس کے اپنے اصول سے ہٹنے پر دلالت کرتا ہے۔ آخر ان تین بڑوں کے علاوہ

جو دوسری حکومتیں ہیں وہ کیا چیز ہیں۔ سمجھ لو کہ طاقتور آدمی کے مقابل پر کمزور اور غریب آدمی کی حیثیت رکھتی ہیں بلجیم کیا ہے ایک کمزور اور غریب آدمی۔ ہالینڈ کیا ہے ایک کمزور اور غریب آدمی۔ روس انگلستان اور امریکہ کیا ہیں مضبوط پہلوان اور کروڑ پتی تاجر۔ اگر روس اپنے اصول میں سچائی پر قائم ہے تو اسے ان کمزور اور غریب ممالک کے ساتھ ایک ہی صف میں اپنے آپ کو کھڑا کرنا چاہیے تھا اور کہنا چاہیے تھا کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ ہم اپنے اور ان کمزور حکومتوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہتے۔ جیسے ہمیں اپنی جان پیادی ہے ویسے ہی ان کو پیادی ہے۔ جیسے ہمیں اپنے ملک کا فائدہ مد نظر ہے۔ ویسے ہی ان کو مد نظر ہے۔ پس حکومتوں کی مشاورتی مجالس میں ہم میں اور کمزور حکومتوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ کہ ہر ایک نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی ہے۔ مگر روس کی کیونست حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ نین بڑوں کے مشورہ سے سب اصول اور امور طے ہوں۔ اس نے اپنی آواز کی اور قیمت مقرر کی ہے اور بلجیم اور ہالینڈ کی آواز۔ اگر بلجیم اور ہالینڈ کی آوازوں اور روس کی آواز میں فرق ہے۔ اگر کمزور قوم کو طاقتور قوم کے مقابل پر نہیں لایا جاسکتا۔ اگر ایک غریب قوم کے ساتھ مساوات کا سلوک نہیں کیا جاسکتا تو فرد کو فرد کے مقابل پر مساوات کیوں دی جائے۔ ایک عالم اور جاٹل در زمین اور کند زمین

میں جو قدرتی فرق ہے اُسے کیوں مٹایا جائے اور روس کا خود بھری بگڑ میں شامل ہونا درمیان بڑوں یا پانچ بڑوں کے اصول پر زور دینا بتاتا ہے کہ کیونترزم کا مساوات کا اصول بالکل غلط اور دکھاوے کا ہے۔ اگر بڑی حکومت چھوٹی حکومت کے مقابل میں امتیازی سلوک کی مستحق ہے۔ تو عالم جاہل کے مقابل پر اور فطرتی صنایع اور تاجر ایک کو دن صنایع اور غیر تجربہ کار تاجر کے مقابل پر اپنے فن سے فائدہ اٹھانے کا کیوں مستحق نہیں۔ ایک بڑی قوم کے مقابل پر ایک چھوٹی قوم کو نیا کر دینا اس سے زیادہ خطرناک ہے جتنا کہ ایک شخص کا اپنی قابلیت سے دوسرے سے کچھ آگے نکل جانا۔ خصوصاً جب کہ طبعی مساوات کے قیام کے لئے اسلام کے مقرر کردہ پاکیزہ اصول موجود ہوں۔

اس موقع پر مجھے ہندوستان کے ایک بڑے لیڈر کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک دفعہ ایک مقام پر بعض مسائل کے متعلق غور کرنے کے لئے بہت سے لیڈر ہندوستان کے مختلف مقامات سے جمع ہوئے۔ مجھے بھی سر سکندر مرحوم اور سر فیروز خان نون نے تار دیکر بلوایا۔ یہ مجلس شملہ میں ہوئی تھی۔ غالباً سٹریٹس آف لیڈر تھے جو مختلف مقامات سے شامل ہونے کیلئے آئے تھے جب اتنے بڑے لیڈروں کو اس لیڈر نے اکٹھے دیکھا تو انہیں بہت برا لگا کہ ہندوستان کے اتنے لیڈر ہیں۔ اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ بڑے معاملات اتنے بڑے اجتماعوں میں طے نہیں ہو سکتے۔ بہتر ہوگا کہ ہم چند لیڈروں کے لیڈر (We Leaders of Leaders) اس میں بیٹھ کر فیصلہ کر کے ان لوگوں کو سنا دیں۔ یہی حال روس کا ہے زید اور بکر کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ ان میں مساوات ہونی چاہیے۔ مگر جب حکومت کا سوال آتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے ہم تین بڑی حکومتیں مل کر جو فیصلہ کریں گی وہی تمام اقوام کو ماننا پڑے گا۔ ان کا حق نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہوں یا ہماری کانفرنس میں شریک ہوں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ روس کے پاس توپیں زیادہ ہیں اور دوسروں کے پاس توپیں کم ہیں۔ روس کے پاس ٹینک اور ہوائی جہاز۔ دوسروں زیادہ ہیں لیکن بجیم فرانس اور مالدیڈ کے پاس کم ہیں۔ اگر سامان حرب کی کثرت کی وجہ سے روس اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی آواز کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وقعت دی جائے اور وہ دوسرے چھوٹے ملکوں کے برابر ہونے کیلئے تیار نہیں ہے تو وہ کل کو ان کو اپنے اقتصادی پردگرم میں شامل کی طرح کرے گا۔ جو ملک اس

بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کی رائے کو کوئی وقعت دے یا ان کو مجلس صلح میں بٹھائے وہ ان کو کھانا اور کپڑا دینے کیلئے کس طرح تیار ہوگا۔ یقیناً جب روس کی انڈسٹری بڑھے گی۔ تو وہ اپنی منڈیوں کے لئے منڈیش (Mandates) چاہیگا برابر کے شریک نہیں۔

مجلس سرمایہ داری مردہ باد کا کوئی سوال نہیں یہ محض دھم ہے جو لوگوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ اصل سلوگن یہ ہے کہ انفس کی سرمایہ داری مردہ باد اور ملک روس کی سرمایہ داری زندہ باد۔ اور اسکا انجام تمام قوم خود سوچ لو۔ آفت اور تب کی سرمایہ داری کا تو لوگ مقابلہ بھی کر سکتے تھے مگر وہ روس کی حکومتی سرمایہ داری کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

روس میں غیر روسی کے داخلے کا امتناع | روس اپنی کمزوری کو خود بھی محسوس کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ غیر ممالک کے تعلقات کو سختی سے روکے ہوئے ہے۔ چنانچہ

جواب ہی میں اسٹیفن گنگ حال ممبر پارلیمنٹ انگلستان روس میں دورہ کر کے آئے ہیں۔ انہوں نے اس دورہ کا غسل ذکر ایک مضمون میں کیا ہے جو "Soviet Union" کے ماہ جون کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:- "روسی گورنمنٹ نہیں چاہتی کہ روس کی قوم آزادی سے اور بغیر کسی روک کے ہمارے خیالات سے پاکسی اور خیال سے جو روسی نہ ہو واقف ہو سکے۔" پھر کہتے ہیں:- "کہ کوئی شخص روسی طرز زندگی کو براہ راست نہیں سمجھ سکتا بجز روسی سرکاری ذرائع کے۔ اور یہ مشکل ابھی کتنے ہی سال تک رہے گی۔" پھر ابھی پچھلے دنوں روس کے ماہرین یہاں آئے تھے۔ امریکہ کے بعض ماہرین بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ سب زیادہ ہندوستان کی حالت کو دیکھ کر حیران ہوئے کیونکہ ان کے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ سفر کر سکیں۔ لیکن ہندوستان کا ہر شخص جہاں جی چاہے آسانی کے ساتھ آجا سکتا ہے۔ اس لئے جب انہوں نے اپنی حکومت سے فریج پر ہندوستان کو دیکھا تو انہیں یہ ملک اس طرح نظر آیا جیسے مرکز انسان اگلے جہان کو دیکھتا ہے یہ نتیجہ تھا ان کی نادانیت کا مگر آخر یہ کولڈ سٹورج میں رکھنے کا معاملہ کب تک چلیگا۔ ایک دن یہ دیوار ٹوٹے گی اور دنیا ایک زبردست تغیر دیکھے گی۔

روسی اقتصادیات کے متعلق بعض غلط باتیں | روس کی عملی مساوات میں بھی مجھے شبہ ہے۔ مگر وہاں کے پورے حالات جو کہ معلوم نہیں ہوتے۔ اس لئے زیادہ کچھ

نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مجھے قطعی طور پر معلوم ہوا ہے کہ روسی سپاہی کا لباس نہایت بوسیدہ ہوتا ہے۔ یہ رپورٹیں مجھے اپنی جماعت کے بعض احمدی افسروں اور بعض احمدی سپاہیوں نے پہنچائی ہیں جنہیں فوج میں ایسے مقامات پر کام کرنے کا موقع ملا جہاں روسی افسر اور روسی سپاہی بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ روسی سپاہی کا لباس خصوصاً ایشیائی سپاہی کا لباس نہایت ادنیٰ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مارشل توپوشنکو اور مارشل کونیف کی تصویروں کو دیکھا جائے تو انہوں نے نہایت قیمتی ٹمغے لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا لباس بھی بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ مارشل کا ٹمغہ ساٹھ ہزار کی قیمت کا ہوتا ہے اس ٹمغہ سے ہی اقتصادی مساوات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

مساوات کے دعویٰ کی عملاً تخلیط | پھر کمیونزم میں جو مساوات پائی جاتی ہے اس کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ موسیو سٹالن نے اسی جنگ کے ایام میں مسٹر چرچل کی ایک

ملاقات کے موقع پر ان کے اعزاز میں ایک دعوت دی تو اس موقع پر بڑی تعداد میں کھانے تیار کئے گئے جو موسیو سٹالن اور ان دوسرے لوگوں نے کھائے جو اس دعوت میں شریک تھے مسٹر چرچل جب انگلستان واپس گئے تو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس دعوت کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر کہا کہ کاش مجھے اپنے کیپٹنسٹ ملک میں وہ کھانے میسر آتے جو پر دلی ٹیری ایٹ (Proletariate) حکومت میں مجھے کھانے کو ملے۔ اگر وہاں واقعہ میں مساوات پائی جاتی ہے۔ تو کیا ماسکو کے ہر شہری کو اسی طرح ساٹھ ساٹھ کھانے ملا کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو یہ امور صاف طور پر بتاتے ہیں کہ کال مساوات کا سوال ابھی حل نہیں ہوا۔ اور نہ حل ہوگا۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مجبوری تھی۔ کیونکہ ان جنگ کے دنوں میں انگلستان کی حکومتی دعوتیں بھی بہت سادہ ہوتی ہیں۔ اس سے بہت سادہ دعوت بھی کافی ہو سکتی تھی۔ مگر اصل میں تو روسی دبدبہ دکھانا مد نظر تھا۔ اور یہی جذبہ مساوات کی روح کو کچلنے کا موجب ہوا کرتا ہے۔ دوسرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ مساوات کے معنی روس میں بدل رہے ہیں اور ایک نیا طبقہ امرا کا دیاں پیدا ہو رہا ہے جس کی بنیاد کمیونسٹ پارٹی میں پیدا کئے ہوئے رسوخ پر ہے۔ پس مساوات کی شکل بدلی ہے چیز اسی طرح قائم ہے جس طرح پہلے تھی۔

اس تقریر کے مسودہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے ایک خبر رس کی اس عدم مسادات کے بارہ میں ملی ہے جسے میں اس جگہ نقل کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ وہ میرے مضمون کے اس حصہ پر روشنی ڈالتی ہے اور اس کی تائید میں ہے۔ آسٹریلیا کے مشہور اخبار "سن" نے اپنے گنبرل کے نامہ نگار کی رپورٹ پر یہ خبر شائع کی ہے کہ آسٹریلین وزیر معینہ رس نے اپنی رخصت کے ایام میں آسٹریلیا کی پارلیمنٹری سنسر پارٹی کی ایک مجلس میں مندرجہ ذیل واقعات بیان کئے :-

(۱) رس میں ایک نئی دو تہہ دروں کی جماعت پیدا ہو رہی ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کی نسبت کیونسٹ پارٹی کے سربراہان و ممبروں اور "صنعتی ماہروں" سے بہت ہی زیادہ بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔

(۲) رستارٹوں میں پانچ قسم کی غذا تیار ہوتی ہے جس کے ٹکٹ کیونسٹ پارٹی میں رسوخ اور کام کی نوعیت کے مطابق تقسیم ہوتے ہیں (یعنی اول درجہ کو اول درجہ کا کھانا، دوسرے درجہ والے کو دوسرے درجہ کا کھانا اور اسی طرح آخر تک)۔

(۳) یہ کہ ان امتیازی سلوکوں کے نتیجہ میں افراد کے درجوں کا فرق دیسا ہی نمایاں ہے جیسا کہ زار رس کے زمانہ میں تھا۔

(۴) یہ کہ جہاں دوسرے ملکوں میں بلیک مارکیٹ چور تاجر چلاتے ہیں رس میں خود حکومت کی طرف سے علی الاعلان یہ آرکیٹ جاری ہے۔

(۵) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے عمدے والے لوگ قریباً ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں جبکہ عام کارکن اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہے۔

آسٹریلین وزیر نے اس خبر کے شائع ہونے پر اظہار افسوس کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہماری حکومت اور رس کے درمیان تعلقات خراب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس خبر کا انکار نہیں کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکار سیاسی ہے حقیقی نہیں۔

یہ خبر وضاحت سے اس اندازہ کی تصدیق کرتی ہے جو میں نے اپنے لیکچر میں سوویٹ کے مستقبل کے متعلق لگایا تھا کہ آئندہ ایک نیا طبقہ امرا کا پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ لیاقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا

یہ ظاہر ہے کہ چونکہ اسلامی حد بن دیاں اس ممتاز طبقہ کو حدود کے اندر رکھنے کیلئے کیونکہ نزم میں موجود نہیں۔ یہ طبقہ آخر کیونست حکومتوں کو پھر پڑانے اصول کی طرف لے جائیگا۔ اور کیونست کی بغاوت کا صرف ایک ہی نتیجہ نکلیگا کہ روس کو اقوام عالم میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہو جائیگی اور ایمپیرسٹلٹک حکومتوں کی نفع اندازی میں وہ بھی شریک ہو جائیگا۔ اور ورلڈ پریٹریٹ یعنی دنیا کی حکومت عوام کا اصل ایک خواب کی شکل میں تبدیل ہو جائیگا ایسا خواب جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا کیونکہ کیونکہ نزم فلسفہ انسانی ہمدردی کے اصول پر نہیں بلکہ زار کی حکومت سے انتقام کے اصول پر مبنی ہے۔

روسی سپاہیوں کا تمدنی معیار | اس موقع پر زمین میں روسی سپاہیوں کے تمدنی معیار کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ایران میں سے نبرائن کی ایک گاڑی گذر رہی تھی کہ ایک ڈرم میں سوراخ ہو گیا۔ اور اس میں سے نبرائن بہنے لگا۔ روسی سپاہیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید رُم (RUM) یا بیر (BEER) ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبرائن کو شراب سمجھ کر پینا شروع کر دیا۔ قریباً ایک ہزار روسی سپاہیوں نے یہ نبرائن استعمال کی اور ان میں سے درجنوں اس کے زہر کی وجہ سے مر گئے اور سینکڑوں بیمار ہو گئے۔ قومی خدمت کا یہ ایک بہت بُرا نمونہ ہے اتنے سپاہیوں کا اپنے قومی فرض کو بھول جانا اور بجائے قومی مال کی حفاظت کے اُسے اپنے استعمال میں لانے کی کوشش کرنا بتاتا ہے کہ عام سپاہی کی اقتصادی حالت اس قدر اچھی نہیں کہ وہ حقیقی یا فرضی لالچوں سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ کم سے کم ایران میں رہنے والے روسی سپاہیوں کی حالت ایسی نہیں کہ یہ کہا جاسکے کہ روس نے ان کی حالت کو بدل دیا ہے۔

کیونز کے دعویٰ مساوات کے متعلق بعض حل طلب سوالات | انڈسٹری کے متعلق یہ حل طلب سوال ہے کہ کیا ہر انڈسٹری میں ایک سا کام ہے؟ کوئلہ کی کان میں اور قسم کا کام ہے اور دوکان میں بیٹھنے کا اور کام ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ درزی کو اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جوہری کو اور کی۔ اس کا کیونز میں کیا حل سوچا گیا ہے۔ کیا دوکانوں کا سرمایہ سب حکومت کا ہوتا ہے اور وہاں کی سب تجارت حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ پھر

یہ بھی سوال ہے کہ اچھے اور بُرے ڈاکٹر اور اچھے اور بُرے وکیل کی فیس ایک ہی ہے یا اس میں اختلاف ہے؟
 اگر اختلاف ہے تو کیوں؟ اگر نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا سب لوگ اچھے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اگر جاتے
 ہیں تو بہر حال وہ سب کا علاج نہیں کر سکتا پھر وہ کیا کرتا ہے؟ یا سب لوگ اچھے وکیل کے پاس جاتے
 ہیں۔ اگر جاتے ہیں تو وہ سب کے مقدمات نہیں لڑ سکتا۔ اگر سب مقدمات نہیں لیتا تو وہ انکا انتخاب
 کس طرح کرتا ہے؟ ایسے ہی بیسیوں سوالات ہیں جن پر غور کر کے مساوات کا حقیقی علم حاصل ہو
 سکتا ہے۔ ان سوالات کے بغیر حقیقی مساوات کا علم ناممکن ہے۔ مگر ان کے معلوم کرنے کا ہمارے پاس
 کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور جب تک ان باتوں کا جواب مہیا نہ کیا جائے کیونکہ ہم کے حامی مساوات
 کا دعویٰ کرنے میں غلطی پر ہیں۔

صحیح اقتصادی نظام | ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں ہر عقلمند انسان اس نتیجہ پر
 ہی پہنچے گا کہ اصل اقتصادی نظام وہی ہے جو مذہب کیلئے گنجائش رکھتے۔
 کیونکہ تھوڑے عرصہ پر اثر انداز ہونے والی اقتصادیات پر ایک لمبے عرصہ پر اثر انداز ہونیوالی اقتصادیات
 کو قربان نہیں کیا جاسکتا، اور اقتصادیات وہی اچھے ہیں جن میں ہر فرد کی ضروریات کو پورا کر دینا سامان ہو
 مگر اس کے ساتھ ہی ایک حد تک فردی ترقی کا راستہ بھی کھلا ہو تاکہ نیک رقابت پیدا ہو اور
 بُری رقابت کچل جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ کیونکہ ہم ایک ردِ عمل سے بنے ظلم کا۔ اسی وجہ سے یہ ظلم کے علاقوں میں کامیاب ہے لیکن
 امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں کامیاب نہیں۔ اسی طرح نیشنلسٹ اور سوشلسٹ علاقوں میں بھی کامیاب نہیں
 کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے ایک اخبار نے مزدوروں سے یہ سوال کیا کہ تم اپنے آپ کو کیسٹلسٹ سمجھتے ہو یا
 مڈل کلاس (Middle Class) میں سے سمجھتے ہو یا غریب کلاس میں سے سمجھتے ہو۔ اس سوال کے جواب
 میں اکثر جوابات میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مڈل کلاس (Middle Class) میں سے سمجھتے ہیں۔ جسکے
 معنی یہ ہیں کہ امریکہ کے مزدور کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ غریب میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیونکہ امریکہ
 میں انگلستان سے بھی زیادہ ناکام رہا ہے۔ کیونکہ وہاں دولت بہت زیادہ ہے اور دولت کی کثرت کی وجہ سے

مزدوروں میں یہ احساس ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ غریب ہیں یا انہیں اپنے لئے کسی ایسے نظام کی ضرورت ہے جو ان کی اس تکلیف کو دور کر سکے جس کا روٹی یا کپڑے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

پس اس علاج یہی ہے کہ (۱) اسلامی تعلیم کے ماتحت غرباء کو ان کا حق دیا جائے اور (۲) امیدوں اور اُمنگوں کو بڑھا دیا جائے جیسے جرمنی اور اٹلی نے اپنے ملک کے لوگوں کو روپیہ نہیں دیا لیکن ان نے ان کی اُمنگوں کو بڑھا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو غالب اور فاتح اقوام میں سے سمجھنے لگے۔ ترقی کیلئے اُمنگ کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہوا کرتا ہے جس قوم کے دلوں میں سے اُمنگیں مٹ جائیں اس کی امیدیں مرجائیں۔ اس کے جذبات سرد ہو جائیں اور غرباء کے حقوق کو بھی وہ نظر انداز کر دے اس قوم کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

پس ہمارے ملک کے امراء کو چاہیے کہ وہ وقت پر اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور ان حقوق کو ادا کریں جو ان پر

غرباء کی ضروریات کے متعلق امیروں کا فرض

غرباء کے متعلق عائد ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ کمیونزم کا پیدا ہونا ایک منرا ہے ان لمبے مظالم کی جو امراء کی طرف سے غرباء پر ہوتے چلے آئے تھے لیکن اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں اور توبہ سے اپنے گزشتہ گناہوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ اپنی مرضی سے غرباء کو ان کے حقوق ادا نہیں کریں تو خدا اس منرا کے ذریعہ ان کے اموال ان سے لے لیگا۔ لیکن اگر وہ توبہ کریں گے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں گے تو یہ مہیب آفت جو ان کے سرور پر منڈلا رہی ہے اسی طرح چکر کھا کر گزر جائیگی جس طرح اندھی ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف اپنا رخ موڑ لیتی ہے۔ اب یہ تمہارا اختیار ہے کہ چاہو تو اللہ تعالیٰ کے اس محبت کے ہاتھ کو جو تمہاری طرف بڑھایا گیا ہے ادب کے ساتھ تمامو اور اپنے اموال کو غرباء کی یہودی کے لئے خرچ کرو اور اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو برداشت کرو اور دولت اپنے پاس رکھو جو کچھ دنوں بعد تم سے باغیوں اور فسادیلوں کے ہاتھوں چھنوا دی جائیگی۔ آخر میں میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ کمیونزم کی ترقی اور روسی اقتصادیات پر غور کرتے وقت ہمیں ایک اور اہم بات بھی مد نظر رکھنی چاہیے جو ایسے حالات میں کہی گئی ہے جبکہ روس کو دنیا میں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

روس کے متعلق اڑہائی ہزار سال پہلے کی پیشگوئی | دس کیا ہے؟ ایک ایسا ملک ہے جس نے صرف تین چار سو سال سے اہمیت حاصل کی ہے۔ اس سے

پہلے وہ ایک پرانگندہ قوم تھی۔ صرف چند قبائل تھے جو تھوڑے تھوڑے علاقہ پر قابض تھے مگر اپنے علاقہ میں بھی اسکو کوئی خاص طاقت حاصل نہیں تھی۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے وہ بہت ہی غیر معروف تھا اور اسقدر بے آباد اور دیران تھا کہ کوئی شخص اس کی بے آبادی کی وجہ سے اس کی طرف موندہ بھی نہیں کرتا تھا۔ اور آج سے اڑہائی ہزار سال پہلے تو اس سے کوئی شخص واقف بھی نہیں تھا۔ شاذ و نادر کے طور پر جغرافیہ والوں کو اسکا علم ہو تو ہو ورنہ یہ اس قدر دیران تھا کہ کوئی شخص اس کی طرف موندہ کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں جب کہ روس کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی حزقیل نبی نے آج سے اڑہائی ہزار سال پہلے روس کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو آج تک بائبل میں موجود ہے اور حزقیل باب ۳۸ اور ۳۹ میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

”اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ مے آدم زاد! جو ج کی طرف جو ما جو ج کی سر زمین کا ہے اور دوش اور مسک اور توبل کا فرمان روا ہے متوجہ ہو اور اس کے خلاف نبوت کر۔ اور کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جو ج ردش اور مسک اور توبل کے فرمان روا! میں تیرا مخالف ہوں۔ اور میں تجھے پھر دوں گا۔ اور تیرے جبروں میں آنکڑے ڈال کر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب لشکر میں جو پھریاں اور سپرے لئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکاؤں گا اور ان کے ساتھ فادس اور دوش اور قوط جو سب کے سب سپر بردار اور خود پوش ہیں مجھ اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی ددر اطران کے اہل تجربہ اور ان کا تمام لشکر یعنی بہت لوگ جو تیرے ساتھ ہیں۔ تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر۔ تو اور تیری تمام طاقت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو اس کا پیشوا ہو۔ اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائیگا۔ اور آخری برسوں میں اُس سرزمین پر جو تلوار کے غلبہ سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان فراہم کئے گئے ہیں اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیمت دیران سے چڑھ آئیگا۔ لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن اور امان کے سکونت کریں گے۔ تو چڑھائی کریگا اور آندھی کی طرح آئیگا۔ تو بادل کی مانند زمین کو چھپائیگا۔ تو اور تیرا تمام لشکر اور بہت لوگ تیرے ساتھ۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ موت یوں ہوگا کہ بہت مضمون تیرے دل میں آئیں گے اور تو ایک بڑا

منصوبہ بندھیگا اور تو کہیگا کہ میں دیہات کی سرزمین پر حملہ کر دنگا میں ان پر حملہ کر دنگا جو راحت و آرام سے بستے ہیں جنکی نہ
 تفصیل ہے نہ اڑینگے اور نہ پھاٹک ہیں تاکہ تو لوٹے اور مال کو چھین لے اور ان دیروں پر جواب آباد ہیں درجن لوگوں پر
 جو تمام قوموں میں سے فراہم ہوئے ہیں جو مویشی اور مال کے مالک ہیں اور زمین کی نالت پر بستے ہیں اپنا ہاتھ چلا رہا اور
 ودان اور ترستیس کے سوداگر اور ان کے تمام جوان شیر برتھ سے پوچھیں گے کیا تو غارت کرنے آیا ہے یا نہیں کیا تو نے اپنا غول
 اس لئے جمع کیا ہے کہ مال چھین لے اور چاندی سونا لوٹے، وہ مویشی اور مال سے جائے اور بڑی غنیمت حاصل کرے۔

اس لئے اے آدم زاد نبوت کر اور جوج سے کہہ کہ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ جب میری امت اسرائیل امن پسندی
 کیا تجھے خبر نہ ہوگی؟ اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دور اطراف آئیگا۔ تو اور بہت لوگ تیرے ساتھ جو سب گھوڑوں پر
 سوار ہونگے ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر۔ تو میری امت اسرائیل کے مقابلہ کو نکلیگا اور زمین کو باد کی طرح چھپائیگا یہ آخری
 دنوں میں ہوگا اور میں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھالادنگا تاکہ تو میں تجھے جانیں جو وقت میں اسے جوج انکی آنکھوں کے سامنے تجھے
 اپنی تقدیس کرائے۔ خداوند خدایوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں جسکی بابت میں نے قدیم زمانہ میں اپنے خداوند اسرائیلی نبیوں
 کی معرفت جنہوں نے ان آیات میں سالہا سال تک نبوت کی فرمایا تھا کہ میں تجھے لے کر چڑھالادنگا۔ ادویوں ہوگا کہ ان آیات میں
 جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کریگا تو میرا قہر میرے چہرہ سے نمایاں ہوگا۔ خداوند خدا فرماتا ہے کیونکہ میں نے پی غیرت
 اور آتش قہر میں فرمایا کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئیگا یہاں تک کہ سمندر کی پھلیاں اور آسمان کے پرندے
 اور میدان کے چرند اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رہینگے پھرتے ہیں اور تمام انسان جو دے زمین پر ہیں میرے حضور تھر تھرائینگے
 اور پہاڑ گر پڑینگے اور کراڑے بیٹھے جائیں گے اور ہر ایک دیوار زمین پر گر پڑیگی۔ اور میں سب پہاڑوں سے اس پر تلوار طلب کر دنگا
 خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر ایک انسان کی تلوار اس کے بھائی پر چلیگی۔ اور میں دبا بھیج کر اور خونریزی کر کے لے سزا دنگا اور اسپر
 اور اسکے لشکروں پر اور ان بہت لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہ اور بڑے بڑے اونے اور آگ اور گندھک
 برسا دنگا اور اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کرا دنگا اور بہت سی قوموں کی نظروں میں شہور ہوگا اور وہ جانیں گے کہ خداوند میں ہوں۔
 پس اے آدم زاد! تو جوج کے خلاف نبوت کر اور کہہ خداوند خدایوں فرماتا ہے۔ دیکھ اے جوج! روش اور سناک اور
 توئل کے فرماندائیں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھر ادنگا اور تجھے لئے پھر دنگا اور شمال کی دور اطراف چڑھالادنگا اور تجھے
 اسرائیل کے پہاڑوں پر پناہ دنگا اور تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ چھڑا دنگا اور تیرے تیر تیرے داہنے ہاتھ سے گرا دنگا تو اسرائیل کے

پہاڑوں پر اپنے سب گھر اور چائنیوں سمیت گر جائیگا اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو دونگا کہ کھا جائیں۔ تو کھلے میدان میں گریگا کیونکہ میں ہی نے کہا خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور میں ماقوج پر اور ان پر جو جزیروں میں اس کے سکونت کرتے ہیں آگ بھیجوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں اور میں اپنے مقدس نام کو اپنی امت اسرائیل میں ظاہر کرونگا اور پھر اپنے مقدس نام کی بے حرستی نہ ہونے دونگا اور تو میں جانیں گی کہ میں خداوند اسرائیل کا قدوس ہوں۔ دیکھ وہ پہنچا اور وقوع میں آیا۔ خداوند خدا فرماتا ہے۔ یہ وہی دن ہے جس کی بابت میں نے فرمایا تھا۔ تب اسرائیل کے شہروں کے بسے والے نکلیں گے اور آگ لگا کر ہتھیاروں کو جلایں گے یعنی سپردوں اور پھریوں کو۔ کمانوں اور تیردوں کو۔ بھالوں اور بھٹیوں کو اور وہ سات برس تک ان کو جلاتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ نہ میدان سے لکڑی لائیں گے اور نہ جنگلوں سے کاشیں گے کیونکہ وہ ہتھیار ہی جلا لیں گے اور وہ اپنے ٹوٹنے والوں کو ٹوٹینگے اور اپنے غارت کرنا والوں کو غارت کرینگے خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور اسی دن یوں ہوگا کہ میں دہاں اسرائیل میں قوج کو ایک گورستان دونگا یعنی داہگندوں کی دادی جو سمت مشرق میں ہے اس سے داہگندوں کی راہ بند ہوگی اور دہاں قوج کو اور اس کی تمام جمعیت کو دفن کریں گے اور جمعیت قوج کی دادی اس کا نام رکھیں گے اور سات مہینوں تک بنی اسرائیل انکو دفن کرتے رہینگے کہ ملک کو صاف کریں۔ ہاں اس ملک کے سب لوگ انکو دفن کرینگے اور یہ ان کیلئے ناموری کا سبب ہوگا جس روز میری تجبیہ ہوگی خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور وہ چند آدمیوں کو چن لینگے جو اس کام میں ہمیشہ مشغول رہیں گے اور وہ زمین پر گزرتے ہوئے داہگندوں کی مدد سے ان کو جو سطح زمین پر پڑے رہ گئے ہوں دفن کرینگے تاکہ اسے صاف کریں۔ اور سات مہینوں کے بعد تلاش کریں گے۔ اور جب وہ ملک میں سے گزریں اور ان میں سے کوئی کسی آدمی کی ہڈی دیکھے تو اس کے پاس ایک نشان کھڑا کریگا جب تک دفن کرنا لے جمعیت قوج کی دادی میں اسے دفن نہ کریں۔ اور نہ ہی جمعیت کلبائیگا یوں وہ زمین کو پاک کریں گے۔

اور اے آدم زاد! خداوند خدا فرماتا ہے۔ ہر قسم کے پرندے اور میدان کے ہر ایک جانور سے کہہ جمع ہو کر آؤ میرے اس ذبیحہ پر جسے میں تمہارے لئے ذبح کرتا ہوں۔ ہاں اسرائیل کے پہاڑوں پر ایک بڑے ذبیحہ پر ہر طرف جمع ہو تاکہ تم گوشت کھاؤ اور خون پیو۔ تم پہاڑوں کا گوشت کھاؤ گے اور زمین کے امر کا خون پیو گے۔ ہاں مینڈھوں۔ بڑوں۔ بکروں اور بیلوں کا وہ سب کے سب تین کے قرب ہیں۔ اور تم میرے ذبیحہ کی جیسے میں نے تمہارے لئے ذبح کیا یہاں تک چربی کھاؤ گے کہ میرا ہواؤ گے اور اتنا خون پیو گے کہ مست ہو جاؤ گے اور تم میرے دسترخوان پر گھوڑوں اور سواروں سے

اور بہادر دل اور تمام جنگی مردوں سے سیر ہو گئے خداوند خدا فرماتا ہے اور میں قوموں کے درمیان اپنی بزرگی ظاہر کرونگا اور تمام قومیں میری سزا کو جوتیں نے دی اور میرے ہاتھ کو جوتیں نے اُن پر رکھا دیکھے گی۔“

دیکھو حزقیل نبی اُس زمانہ میں جب کوئی شخص روس کو نہ جانتا تھا اور جب کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ روس دنیا میں اس قدر ترقی کر لیگا کہ اپنی حکومت اور شوکت کے ذریعہ سب پر چھا جائیگا۔ روس کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے روس! ماسکو اور ٹوبالسک کے بادشاہ! خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ میں دنیا کے آخری زمانہ میں تیری طاقت کو بڑھاؤنگا اور تیری شوکت میں غیر معمولی اضافہ کرونگا۔ یہاں تک کہ تو اس گھمنڈ میں کہ تیری طاقت بہت بڑھ چکی ہے اور تیری عظمت میں اضافہ ہو گیا ہے غیر ملکوں کو اپنے قبضہ میں لانے اور اُنکے اموال اور اُن کے مواشی اور اُن کی دولت کو ٹوٹنے کی کوشش کریگا۔ یہاں تک کہ فارس اور ایران پر بھی تیرا قبضہ ہو جائیگا۔ جسکی بنیاد ڈالنے کیلئے روس اب ایران کے چشمے مانگ رہا ہے۔ اے روس! ماسکو اور ٹوبالسک کے بادشاہ! اس لئے کہ تو غیر ملکوں کی دولت کو لوٹ لے اُن کا سونا اور چاندی اپنے قبضہ میں کر لے اور اُنکے مواشی اور اُن کے اموال کو غصب کر لے اپنے ملک میں سے نکلیگا (پیشگوئی کے اس حصہ سے ظاہر ہے کہ کمپوزم کا اقتصادی نظام پہلے نظاموں سے بھی زیادہ دوسرے ملکوں کے لئے خطرناک ہوگا) اور غیر ممالک پر حملہ کرتے ہوئے بڑھتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ تو یروشلم پر حکومت کرنا چاہیگا جس کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں۔ تب میرا غضب تجھ پر بھڑکیگا۔ میں آگ اور گندھک کا مینہ تجھ پر برساؤنگا۔ اور میں تجھے بنسیاں مار مار کر تیرے موہنے اور جبر دلوں کو چیر دوںگا اور تجھے اس طرح تباہ و برباد کرونگا کہ تیری لاشوں کے انبار جنگلوں میں لگ جائیں گے اور لوگ انہیں مہینوں تک زمین میں دفن کرتے رہیں گے۔

وہ لوگ جو پیشگوئیوں کو نہیں مانتے میں اُن سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے اور اگر وہ اپنے انبیاء کو غیب کی خبروں سے اطلاع نہیں دیا کرتا تو آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے حزقیل نبی کو یہ کس نے بتا دیا تھا کہ ایک زمانہ میں روس دنیا کی زبردست طاقت بن جائیگا اور وہ دنیا کا سونا اور چاندی لوٹنے کے لئے غیر ممالک پر حملہ کریگا اور بادل کی طرح اُن پر چھا جائیگا۔ مگر آخر خدا کا غضب اُس پر بھڑکیگا اور وہ آسمانی عذاب کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اس نکتہ پر غور کرنے کے بعد انسان موائے اس کے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا

کہ اس قسم کی قبل از وقت خبریں دینا خدا کا ہی کام ہے اور اگر دنیا کا ایک خدا ہے اور اس خدا نے حقیقی نبی کو یہ خبر دی ہو آج تک بائبل میں لکھی ہوئی موجود ہے تو پھر اس خبر کے جو آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے دی گئی ہوئے اسکے اور کوئی معنی نہیں ہیں کہ خدا اس اقتصادی نظام کو دنیا میں رہنے دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

روس متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی | ایک نئی پیشگوئی بھی سن لو۔ اس زمانہ میں بائبل سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زار روس

کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس پر ایک نہایت ہی شدید عذاب آنے والا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔
 عی ۱ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حال زار

یعنی وہ گھڑی آنے والی ہے جب کہ زار بھی با حال زار ہو جائیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق بالشویک لوگوں نے زار اور اس کے خاندان کی مستورات کو ایسے ایسے سخت عذاب دیئے اور اس اس رنگ میں ان کی بے حرمتی کر کے ان کو مارا کہ وہ واقعات آج بھی سن کر دشمن سے دشمن انسان کا دل بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور بھی خبر دی جو یہ ہے:۔

” ۲۲ جنوری ۱۹۰۳ء کو میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ زار روس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ وہ بڑا مہیا اور خوبصورت، پھر میں نے غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے بلکہ اس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں۔ گویا بظاہر سونٹا معلوم ہوتا ہے اور وہ بندوق بھی ہے۔“ تذکرہ ص ۲۹

رویا میں کسی حکومت کا عہدہ دئے جانے کے معنی وہاں طاقت اور نفوذ کے حاصل ہونے کے ہوتے ہیں پس جہاں حقیقی نبی کی خبر یہ بتا رہی ہے کہ کیونسٹ نظام اقتصاد کو اللہ تعالیٰ دنیا میں قائم رکھنا پسند نہیں کرتا اور یہ کہ اگر اس نظام کے متولیوں نے اس سے توبہ نہ کی اور وہ غیر قوموں میں دخل اندازی اور تصرف سے باز نہ آیا تو خدا تعالیٰ کا عذاب اس پر نازل ہوگا اور وہ اس کی ہیبت ناک سزا کا نشانہ بن کر دنیا کیسے ایک عبرت کا سامان پیدا کرے گا۔ وہاں بائبل سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ آخر روس کا نظام ہمارے ہاتھوں میں دیا جائیگا۔ اور اس کی اصلاح کا کام ہمارے سپرد ہوگا۔ یہ خدائی کلام ہیں جو ایسے وقت میں کہے گئے ہیں جبکہ ان کے

پورا ہونے کے کوئی بھی اسباب دنیا میں نظر نہیں آتے تھے اور نہ اب نظر آتے ہیں۔ میں ان ہزاروں لوگوں کے سامنے جو آج اس مقام پر جمع ہیں خدا تعالیٰ کے ان کلاموں کو پیش کرتا ہوں۔ حزقی ایل نبی کا کلام وہ ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے یعنی آج سے دو ہزار پانچ سو سال پہلے نازل ہوا۔ جبکہ روس کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اور کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی۔ کہ وہ اتنی طاقت حاصل کر لیا کہ غیر اقوام میں دخل اندازی شروع کر دیگا اور ان کے سونے اور چاندی کو جمع کرنے لگ جائے گا۔ پس غور کرو کہ کتنی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو روس کے متعلق کی گئی۔ پھر حضرت یحییٰ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانیئے سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئی موجود ہے جس میں آپ کو زائد روس کی تباہی کی خبر دی گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اب دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ ایک دن روس کی حکومت بدل کر ایسے رنگ میں آجائے گی کہ اس کا عصا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دیا جائے گا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کو قیصر دوسری کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ مگر وہ کنجیاں آپ کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئیں۔ اسی طرح گو زائد روس کے عصا کے متعلق یہ دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ عصا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دیا مگر انبیاء کے ذریعہ جو پیشگوئیاں کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ان کے ہاتھ پر پوری نہیں ہوتیں بلکہ ان میں سے اکثر ان کی جماعتوں کے ذریعہ پوری ہوتی ہیں اور اس پیشگوئی کے متعلق بھی ایسا ہی ہوگا۔ یہ خیالی بات نہیں بلکہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ روس کی خرابیوں کو درست کرنا اور اس کے نظام کی اصلاح کرنا اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور ایک دن روس کے لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہو کر اس کے بیان کردہ نظام کو اپنے ہاں جاری کریں گے۔ پس جلد یا بدیر کمپوزم کا نظر آنے والا زبردست خطرہ دور ہو جائے گا اور لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی خرابیوں کی اصلاح اور ان کے دکھوں کا علاج صرف اسلامی تعلیم میں ہی پایا جاتا ہے۔

کمپوزم کی تباہی کے متعلق ایک روایا | چوبیس سال کی بات ہے میں نے روایا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں میں کھڑا ہوں۔ راستے میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان بلا جو ایک بہت بڑے اژدہا کی شکل میں ہے دور سے چلی آ رہی ہے وہ اژدہا میں گز رہا ہے

اور ایسا موٹا ہے جیسے کوئی بڑا درخت ہو۔ وہ اڑدہا بڑھتا چلا آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دنیا کے ایک کنارے سے چلا ہے اور درمیان میں جس قدر چیزیں تھیں اُن سب کو کھاتا چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ اڑدہا اُس جگہ پہنچ گیا جہاں ہم ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ باقی لوگوں کو کھاتے کھاتے وہ ایک احمدی کے پیچھے بھی دوڑا۔ وہ احمدی آگے آگے ہے اور اڑدہا پیچھے پیچھے۔ میں نے جب دیکھا کہ اڑدہا ایک احمدی کو کھانے کے لئے دوڑ پڑا ہے تو میں ہاتھ میں سوٹا لے کر اُس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن خواب میں میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اتنی تیزی سے دوڑ نہیں سکتا جتنی تیزی سے سانپ دوڑتا ہے۔ چنانچہ میں اگر ایک قدم چپتا ہوں تو سانپ دس قدم کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ بہر حال میں دوڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا۔ وہ احمدی ایک درخت کے قریب پہنچا۔ اور تیزی سے اُس پر چڑھ گیا۔ اُس نے خیال کیا کہ اگر میں درخت پر چڑھ گیا تو میں اڑدہا کے حملہ سے بچ جاؤنگا۔ مگر ابھی وہ درخت کے نصف میں ہی تھا کہ اڑدہا اُس کے پاس پہنچ گیا۔ دوسرا اٹھا کر اُسے نگل گیا۔ اس کے بعد وہ پھر واپس لوٹا اور اس غصہ میں کہ میں اُس احمدی کو بچانے کے لئے کیوں اُسکے پیچھے دوڑا تھا اُس نے مجھ پر حملہ کیا۔ مگر جب وہ مجھ پر حملہ کرتا ہے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے قریب ہی ایک چار پائی پٹری ہوئی ہے۔ مگر وہ مٹی ہوئی نہیں صرف پٹیاں وغیرہ ہیں۔ جسوقت اڑدہا میرے پاس پہنچا میں کو دکر اُس چار پائی کی پٹیوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا اور میں نے اپنا ایک پاؤں اُس کی ایک پٹی پر اور دوسرا پاؤں اُس کی دوسری پٹی پر رکھ لیا جب اڑدہا چار پائی کے قریب پہنچا تو کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ لَا يَدَانِ بِالْحَدِّ بِفَتَايِهِمْ۔ اُس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سانپ کا حملہ دراصل یا جوج اور ماجوج کا حملہ ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اُن کے بارہ میں ہے۔ میں اسوقت یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ دجال بھی ہے۔ اتنے میں وہ اڑدہا میری چار پائی کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کر دی۔ اسی دوران میں اُن احمدیوں سے جنہوں نے مجھے مقابلہ کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ یا جوج اور ماجوج کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکیگی میں کہتا ہوں کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لَا یَدَانِ لِخَدَّیْهِمَا کَیْسِی کے پاس کوئی ایسا ہاتھ نہیں ہوگا جس سے وہ اُن کا مقابلہ کر سکے مگر میں نے تو اپنے ہاتھ مقابلہ کے لئے اُس کی طرف نہیں بڑھائے بلکہ اپنے دونوں ہاتھ خدا کی طرف اٹھا دیئے ہیں اور خدا کی طرف ہاتھ اٹھا کر فتح پانے کے امکان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رد نہیں فرمایا۔ غرض میں نے دعا کرنی شروع کر دی کہ اے خدا مجھ میں تو طاقت نہیں کہ میں اس فتنہ کا مقابلہ کر سکوں لیکن مجھ میں سب طاقت اور قدرت ہے میں تجھ سے استیاء کرتا ہوں کہ تو اس فتنہ کو دور فرما دے۔ جب میں نے یہ دعا کی تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے اُس اژدہا کی حالت میں تغیر پیدا ہونے لگا جیسے پہاڑی کیڑے پر نمک گرانے سے ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اُس اژدہا کے جوش میں کمی آئی شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ اُس کی تیزی بالکل کم ہو گئی۔ چنانچہ پہلے تو وہ میری چار پائی کے نیچے گھسنا۔ پھر اُس کے جوش میں کمی آئی شروع ہو گئی۔ پھر وہ خاموشی سے بیٹ گیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی چیز بن گیا ہے جیسے جلی ہوتی ہے۔ اور بالآخر وہ اژدہا پانی ہو کر بہہ گیا۔ اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو دعا کا کیسا اثر ہوا بیشک میرے اندر طاقت نہیں تھی کہ میں اُسکا مقابلہ کر سکتا مگر میرے خدا میں تو طاقت تھی کہ وہ اس خطرہ کو دور کر دیتا۔

ایک قابل ذکر امر | یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں۔ اور دشمن سے دشمن انسان کی بدخواہی کا خیال بھی ہمارے دل کے کسی گوشہ میں نہیں آتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کی فتح ہو، روحانیت کی ترقی ہو۔ خدا اور اس کے رسول کی حکومت قائم ہو اور ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو بھی نظام جاری ہو خواہ وہ اقتصادی ہو یا سیاسی۔ تمدنی ہو یا معاشرتی بہر حال خدا اور اس کے رسول کا خانہ خالی نہ رہے اور دنیا کو اُن کے احکام کی اتباع سے نہ روکا جائے۔ پس ہم روس یا کمیونزم کے دشمن نہیں بلکہ روس سے مجھے دلی ہمدردی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ قوم جو سینکڑوں سال ظلموں کا شکار رہی ہے ترقی کرے اور اس کے دن پھریں۔ اُن میں یا اور کوئی حریت پسندیہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک غلط فلسفہ کو بعض قوموں کی ترقی اور دوسروں کے تنزل کا موجب بنایا جائے۔ پس اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان فرمود

ہدایات کو اگر دنیا کا کوئی نظام اپنا لے اور اپنا نظام اسلامی رنگ میں ڈھال لے تو اس کی باتیں ہمارے
سر آنکھوں پر لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو مذہبی لوگ اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اس نظام کو
قبول نہ کریں۔ کیونکہ بیشک روٹی کی تکلیف بھی بڑی تکلیف ہے مگر مذہب ایسی چیز ہے جسے انسان
کسی حالت میں بھی قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

میں نے اس مضمون کے بیان کرنے میں بہت کچھ اختصار کر دیا ہے اور کئی باتیں چھوڑ دی ہیں
لیکن پھر بھی میں نے لمبا وقت لے لیا ہے۔ میں اسید کرتا ہوں کہ اسلامی اقتصادیات اور کیونزم کے
اثرات کے متعلق میں نے جن امور پر روشنی ڈالی ہے دوست ان پر غور کریں گے۔ اور بعض
سنی سنائی باتوں کے پیچھے نہیں چلیں گے کیونکہ ذہنی ارتقاء کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس بات کو
بھی اختیار کیا جائے اس کے تمام پہلوؤں پر سمجیدگی کے ساتھ غور کر لیا جائے تاکہ انسان جس راستہ
کو بھی اختیار کرے سوچ سمجھ کر کرے اور جس نظام کو بھی قبول کرے کھلی آنکھوں کے ساتھ کرے۔ یہی
وہ طریق ہے جس پر عمل کرنے سے سچائی ظاہر ہو سکتی ہے اور فتنہ و فساد کا سد باب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی رحم فرمائے اور اپنی ہدایت کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور
اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بھی اس راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو آپ کے لئے بھی مفید ہو اور
آپ کی اولادوں کے لئے بھی مفید ہو۔ آپ کے دین کے لئے بھی مفید ہو اور آپ کی دنیا کے لئے
بھی مفید ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



